جولائی
۲۰۰۶ء

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس : سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مدیر : پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن


1st ISO 14001
CERTIFIED COMPANY IN AUTO INDUSTRY OF PAKISTAN
اب منزل ہے آسان
SONICA
MOTORCYCLES
4-Stroke 70cc
SONICA®
ISO 9001:2000
CERTIFIED COMPANY
SONICA AUTO INDUSTRIES (Pvt.) Ltd.
Plot # 8-A, Near Hamza Flour Mills,
Pindi Bypass, G.T. Road, Gujranwala.
Tel: 055 3893707 / 3893895 / 3891663
www.sonica.com.pk
SM70
Vital for life

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جلد ۱۳۳، عدد ۷، جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ، جولائی ۲۰۰۶ء

مدیر

پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر

مسلم سجاد

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور - ۵۴۷۹۰

فون: ۵۴۲۵۳۵۶ (۰۴۲)

فیکس: ۵۴۳۲۱۹۴ (۰۴۲)

E-mail: tarjuman@wol.net.pk

انتظامی امور

۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور - ۵۴۶۰۰

فون: ۷۵۸۷۹۱۶ (۰۴۲)

فیکس: ۷۵۸۵۵۹۰ (۰۴۲)

E-mail: tarjuman@pol.com.pk

www.tarjumanulquran.org

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے

زرسالانہ: ۲۵۰ روپے

معاونِ خصوصی: ۳۰۰۰ روپے

بیرونی ایڈیشن: ۳۵ روپے

بنگلہ دیش، ایران، بھارت: ۷۰۰ روپے

یورپ، مشرق وسطیٰ، مشرق بعید، افریقہ: ۱۰۰۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۳۰۰ روپے

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن

A/c No. 1957-3, UBL, Icchra Br. LHR

زیراہتمام: الابلاغ ٹرسٹ

۶۰ سال پہلے

دو قسم کے جلوس

اور موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی کھلی سند ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا، مگر انھوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انھیں دوزخ کی طرف لے جائے گا، کیسی بدتر جاے ورود ہے یہ جس پر کوئی پہنچے! اور ان لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی پڑے گی، کیسا برا صلہ ہے جو کسی کو ملے! [ھود ۱۱: ۹۶-۹۹]

اس آیت سے اور قرآن مجید کی بعض دوسری تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں کسی قوم یا جماعت کے رہنما ہوتے ہیں وہی قیامت کے روز بھی اس کے رہنما ہوں گے۔ اگر وہ دنیا میں نیکی اور سچائی اور حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں تو جن لوگوں نے یہاں ان کی پیروی کی ہے وہ قیامت کے روز بھی انھی کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے اور ان کی پیشوائی میں جنت کی طرف جائیں گے۔ اور اگر وہ دنیا میں کسی ضلالت، کسی بداخلاقی یا کسی ایسی راہ کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں جو دین حق کی راہ نہیں ہے، تو جو لوگ یہاں ان کے پیچھے چل رہے ہیں وہ وہاں بھی ان کے پیچھے ہوں گے اور انھی کی سرکردگی میں جہنم کا رخ کریں گے۔ اسی مضمون کی ترجمانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں پائی جاتی ہے کہ امرؤ القیس حامل لواء شعراء الجاهليه الى النار، یعنی قیامت کے روز جاہلیت کی شاعری کا جھنڈا امرؤالقیس کے ہاتھ میں ہوگا اور عرب جاہلیت کے تمام شعرا اسی کی پیشوائی میں دوزخ کی راہ لیں گے۔ اب یہ منظر ہر شخص کا اپنا تخیل اس کی آنکھوں کے سامنے کھینچ سکتا ہے کہ یہ دونوں قسم کے جلوس کس شان سے اپنی منزل مقصود کی طرف جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جن لیڈروں نے دنیا میں لوگوں کو گمراہ کیا اور خلافِ حق راہوں پر چلایا ہے ان کے پیرو جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ یہ ظالم ہم کو کس خوف ناک انجام کی طرف کھینچ لائے ہیں تو وہ اپنی ساری مصیبتوں کا ذمہ دار انھی کو سمجھیں گے اور ان کا جلوس اس شان سے دوزخ کی راہ پر رواں ہوگا کہ آگے آگے وہ ہوں گے اور پیچھے پیچھے ان کے پیرؤوں کا ہجوم ان کو گالیاں دیتا ہوا اور ان پر لعنتوں کی بوچھاڑ کرتا ہوا جا رہا ہوگا۔ بخلاف اس کے جن لوگوں کی رہنمائی نے لوگوں کو جنتِ نعیم کا مستحق بنایا ہوگا ان کے پیرو اپنا یہ انجام خیر دیکھ کر اپنے لیڈروں کو دعائیں دیتے ہوئے اور ان پر مدح و تحسین کے پھول برساتے ہوئے چلیں گے۔ (تفہیم القرآن، سورۂ ہود، ترجمان القرآن، جلد ۲۹، عدد ۲، شعبان ۱۳۶۵ھ، جولائی ۱۹۴۶ء، ص ۳۰-۳۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاکستان کا روشن مستقبل اور عوامی تحریک

قاضی حسین احمد

اس امر سے کوئی صاحبِ نظر انکار نہیں کرے گا کہ اس وقت پاکستان سیاسی اور معاشی طور پر ایک شدید بحران سے دوچار ہے اور اسے اس بحرانی کیفیت سے نکالنے کے لیے ایک مخلص، دیانت دار، ہردل عزیز، محنتی، باصلاحیت اور جرأت مند قومی قیادت کی ضرورت ہے۔

یہ مخلص اور دیانت دار قیادت کہاں سے آئے گی جو قوم کی نیا کو طوفانی موجوں کی کشاکش اور تھپیڑوں سے صحیح وسالم نکال کر کنارے پر لگا دے؟ اگر آپ پاکستان کی ۵۸ سال کی تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ قیادت سول اور فوجی بیوروکریسی یا ہماری اشرافیہ سے میسر نہیں ہو سکتی۔ اس طرح کی ایک مخلص اور دیانت دار قیادت کے لیے ہمیں ملک کے عوام کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور انھیں ایک بڑی تبدیلی کے لیے تیار کرنا ہوگا۔

اللہ رب العالمین نے اپنی کتاب ہدایت میں یہ اٹل اصول بیان کیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَابِاَنْفُسِہِمْ ط (الرعد ۱۳: ۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

اسی بات کو مولانا ظفر علی خان نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

عوام میں اپنی حالت بدلنے کا خیال کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ کیا پاکستانی عوام میں اپنی حالت کے بدلنے کی خواہش موجود بھی ہے یا نہیں؟

ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ جب تک کسی قوم کی آرزوئیں اور امنگیں بیدار نہ ہوں اور جب تک ان کے دلوں میں تمنائیں انگڑائیاں نہ لیں اس وقت تک کوئی قوم عمل پر آمادہ نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے مرگِ آرزو اور زندہ تمناؤں کی موت ہی کو کسی قوم کی موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مایوسی اور نا امیدی کو زوال علم وعرفان کہا ہے ؎

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

اقبالؒ نے رموزِ بے خودی میں اسلام کے بنیادی ارکان میں پہلے رکن توحید کے ضمن میں ایک باب درج ذیل عنوان کے تحت باندھا ہے، در معنی این کہ یاس و حزن وخوف ام الخبائث است و قاطع حیات ، و توحید ازالہ این امراضِ خبیثہ می کند (اس معنی کی وضاحت میں کہ نا امیدی اور غم اور خوف ام الخبائث اور زندگی کا خاتمہ کرنے والے ہیں اور توحید ان امراض خبیثہ کا علاج ہے۔)

فارسی کی اس نظم میں اقبالؒ نے بہت خوب صورتی سے قرآنی آیات سے کلمات لے کر پرو دیے ہیں۔ فرمایا ؎

مرگ را ساماں ز قطعِ آرزوست
زندگانی محکم از لَاتَقْنَطُوْا ست

آرزو کا خاتمہ موت کا سامان فراہم کرتا ہے، جبکہ زندگی کو لا تقنطوا سے استحکام نصیب ہوتا ہے۔

اس شعر میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (الزمر ۳۹:۵۳)

اے نبیؐ! کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو بخشنے والا اور

رحم کرنے والا ہے۔

آگے فرماتے ہیں ؎

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر
از نبیؐ تعلیم لَاتَحزَن بگیر

اے غم کے زنداں میں قیدی کی زندگی بسر کرنے والے، نبی کریمؐ سے لا تحزن کی تعلیم حاصل کرلو۔

اس میں اقبالؒ نے قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ ۹:۴۰) تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں، اللہ اُس کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ "غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا۔ اور اللہ کا بول تو اُونچا ہی ہے، اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے۔

اس سے آگے اقبالؒ نے فرمایا ؎

چوں کلیمے سوے فرعونے رود
قلبِ او از لَاتَخَفْ محکم شود

جب ایک کلیم ایک فرعون کی طرف جاتا ہے تو اس کا دل 'لا تخف' سے مضبوط ہوتا ہے۔

اس شعر میں قرآن کریم میں مذکور حضرت موسٰیؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کے واقعے کا ذکر ہے، جب ان دونوں کو فرعون کی طرف جانے کا حکم ہوا تو انھوں نے عرض کی کہ ہمیں

ڈر ہے کہ وہ ہمارے ساتھ زیادتی پر اتر آئے گا اور سرکشی اختیار کرے گا، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی (طٰہٰ ۲۰:۴۶) ''ڈرو مت، میں تمھارے ساتھ ہوں، سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں''۔

دوسرے موقع پر جب فرعون کے جادوگروں کے سحر کی وجہ سے رسیاں حضرت موسٰیؑ کو چلتے پھرتے سانپ نظر آنے لگیں تو انھوں نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا، تو اللہ نے کہا کہ خوف مت کھاؤ، تم غالب رہو گے۔ قرآن مجید نے اس واقعے کی یوں منظرکشی کی ہے:

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ○ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُھُمْ وَعِصِیُّھُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی ○ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ (طٰہٰ ۲۰:۶۵-۶۸) جادوگر بولے: ''موسٰیؑ! تم پھینکتے ہو یا پہلے ہم پھینکیں''؟ موسٰیؑ نے کہا، ''نہیں، تم ہی پھینکو''۔ یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسٰیؑ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں، اور موسٰیؑ اپنے دل میں ڈر گیا۔ ہم نے کہا ''مت ڈر، تو ہی غالب رہے گا''۔

اس نظم کا خاتمہ اس خوب صورت بیت پر کیا گیا ہے ؎

ہر کہ رمزِ مصطفیٰؐ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دیدہ است

جس نے مصطفیٰؐ کی تعلیم کی اصل روح کو سمجھا ہے اس نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کا خوف 'شرک' ہے۔

قرآن کریم کی کئی آیات میں ایمان اور عمل صالح سے آراستہ لوگوں کی صفات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (البقرہ ۲: ۳۸) ''ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا''۔

تبدیلی پیدا کرنے کے لیے پوری قوم کے دلوں میں تمناؤں اور آرزوؤں کو بیدار کرنے کے لیے انھیں یاس و قنوطیت، ناامیدی اور خوف سے نکال کر ایمان و یقین کے اسلحے سے مسلح کرنے

کی ضرورت ہے۔اس کے ساتھ اس سحر کا پردہ چاک کرنا پڑے گا کہ امریکا اور فوجی جرنیلوں کے ساتھ ملی بھگت کیے بغیر کوئی تبدیلی نہیں آسکتی، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کہ حقیقی تبدیلی کے راستے میں بڑی رکاوٹ امریکا اور استعماری طاقتیں اور ان کی آلۂ کار سول وملٹری بیوروکریسی اور ملک کا طبقۂ اشرافیہ ہے۔ ان سے نجات کا ذریعہ اللہ پر ایمان، اور بھروسا، منزل کا صحیح شعور، ہمہ گیر عوامی بیداری کی جدوجہد اور عوام میں سے ایسی مخلص اور باصلاحیت قیادت کو بروے کار لانے کی ہمہ جہت کوشش جو اللہ اور عوام دونوں کے سامنے جواب دہ ہو۔اس کے لیے موجودہ حکمران ٹولے سے نجات اوّلین شرط اور ضرورت ہے اور اس یقین کے ساتھ کہ قوت کا اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے جو حقیقی حاکم اور کارفرما ہے۔ اسباب و وسائل بلاشبہہ ہر جدوجہد کے لیے ضروری ہیں لیکن آخری فیصلہ دنیاوی اور ظاہری عوامل پر نہیں، اللہ کے حکم اور ارادے کے مطابق ہوتا ہے اور ہم اس کے طالب ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ (اٰل عمرٰن ۳:۲۶) کہو، خدایا، ملک کے مالک، تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کردے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسروں کے دلوں میں امید کی شمع روشن کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دعوت دینے والے کارکنوں کے اپنے سینے میں چراغِ آرزو روشن ہو۔اس کے لیے ضروری ہے کہ روشن مستقبل کا واضح نقشہ دل و دماغ میں سجا ہوا ہو۔ اس نقشے کے بنیادی خدوخال واضح ہوں اور دعوت دینے والے کارکن میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ اپنا ذوقِ یقین دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے انھیں اپنے اخلاص کا قائل کرسکے۔لوگوں کو کسی تحریک کی قیادت اور اس کے کارکنوں کے اخلاص کا یقین ہوگا تو وہ ایسی تحریک میں شامل ہونے اور اس کی خاطر قربانی دینے پر آمادہ ہوسکیں گے۔

روشن مستقبل کے خاکے میں سب سے زیادہ اہمیت 'عدل وانصاف' کی ہے۔ اللہ رب العالمین نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے بھیجنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج (الحدید ۵۷: ۲۵) ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

لوگوں کو یہ یقین دلانا ضروری ہے کہ وہ جس طرح معاشرتی اور معاشی طور پر ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں' ہم اس ظلم سے نجات دلانے کے لیے انھیں پکار رہے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں مخلص نوجوانوں، ہاتھ سے کام کرنے والے مزدوروں اور ظلم کی چکی میں پسنے والے غلاموں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے برگزیدہ ساتھیوں کے بارے میں یقین ہوگیا تھا کہ یہ لوگ انھیں ان جیسے انسانوں کے ظلم اور جبر سے نکالنے کے لیے اٹھے ہیں۔ اسلامی تحریک کا یہ بنیادی مقصد ایرانی فوج کے سپہ سالار کے سامنے ایک صحابی رسولؐ ربعی بن عامرؓ نے ان خوب صورت اور جامع الفاظ میں بیان کیا:

جِئْنَاكُمْ لِنُخْرِجَ الْعِبَادَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ اِلٰى عِبَادَةِ رَبِّ الْعِبَادِ وَ مِنْ جَوْرِ الْاَدْيَانِ اِلٰى عَدْلِ الْاِسْلَامِ وَمِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا اِلٰى وَسَعَةِ الْاٰخِرَةِ۔ ہم تمھاری طرف اس لیے آئے ہیں کہ تمھیں بندوں کی غلامی سے نکال کر بندوں کے رب کی غلامی میں داخل کردیں اور باطل نظاموں کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عادلانہ نظام کے زیرسایہ لے آئیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں داخل کردیں۔

صحابیؓ کے اس قول میں ایرانیوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مسلمان انھیں غلام بنانے اور ذلیل کرنے کے لیے نہیں بلکہ انھیں آزاد کرانے اور عزت دلانے کے لیے آئے ہیں اور انھیں مادی دنیا کی تنگ سوچ سے نکال کر آخرت کی ابدی زندگی کا تصور اور یقین دینے کے لیے آئے ہیں۔

زندگی کا یہی وسیع تصور اور یقین تھا جس نے صحابہ کرامؓ کی مختصر جماعت کو ایک سیلِ رواں میں ڈھال دیا اور پچاس سال سے بھی کم عرصے میں انھوں نے اس دور کی معلوم دنیا کے تقریباً نصف حصے کو اسلام کے نظامِ عدل کے پرچم تلے منظم کرلیا، اور جہاں بھی ان کے مبارک قدم پہنچے

وہ جگہ آج تک عالمِ اسلام کا قلب تصور ہوتی ہے۔

دنیا کو آج پھر معرکۂ روح و بدن درپیش ہے۔ اس معرکے میں ہماری اصل قوت اللہ پر کامل ایمان اور سچا یقین ہے۔ اسی ایمان اور یقینِ کامل سے تمنائیں زندہ و بیدار ہوتی ہیں اور آرزوئیں جنم لیتی ہیں۔ دوسری چیز عشقِ مصطفیؐ ہے اور یہ بھی قوت کا بہت بڑا خزانہ ہے اور ہمارے عوام کے دل قوت کے اس سرچشمے سے مالا مال ہیں۔ یہ قوت دلوں میں تمناؤں کو بیدار کرنے والی ہے۔ایک شاعر نے اس بات کو ان خوب صورت الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمھی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمھی تو ہو

اور اقبالؒ نے فرمایا:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیؐ او را بہا است
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیؐ است

ہر جگہ جو آپ کو جہانِ رنگ و بو نظر آتا ہے، جس کے وجود سے آرزوئیں جنم لیتی ہیں یا تو وہ نورِ مصطفیؐ کے فیض سے سیراب ہے یا ابھی مصطفیؐ کی تلاش میں ہے۔

اللہ پر کامل ایمان اور عشقِ مصطفیؐ کی قوت سے سرشار ہو کر ہم انسانیت کی خدمت اور سارے جہاں کی تعمیرِ نو کے لیے اٹھنے کا پیغام دیتے ہیں۔ ہم پوری انسانیت کے خیرخواہ ہیں اور اپنی قوم کی خیرخواہی میں ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ جب ہم اخلاص و خیرخواہی کا پیغام لے کر اپنی قوم کے پاس جائیں گے تو ہماری یہ خیرخواہی اور اخلاص ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔ اگرچہ ہمارے مخالفین جھوٹے پروپیگنڈے کا طوفان اٹھا کر حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے اور باطل کو حق کا جامہ پہنانے کی کوشش کریں گے لیکن یہ اللہ کی سنت ہے کہ وہ باطل کے مقابلے میں حق کی قوت کو بالآخر فتح عطا فرماتا ہے۔

جماعت اسلامی نے سالِ رواں کو دعوت کا سال قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے ایک ہمہ گیر عوامی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ عوام کو استعماری قوتوں اور ان کی آلہ کار نفس پرست قیادت سے نجات دلا کر ایک مخلص اور دیانت دار قیادت کا تحفہ اور ایک عادلانہ نظام کا ہدیہ دے سکیں۔

بعض لوگوں کے خیال میں دعوت اور اس طرح کی تحریک چلانے میں تضاد ہے حالانکہ حضور نبی کریمؐ کی سیرتِ طیبہ سے عیاں ہے کہ اسلامی تعلیمات کو عوام الناس تک پہنچانے کے لیے انھوں نے عوامی تحریک کو ذریعہ بنایا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر پورے جزیرہ نمائے عرب کی مسلمان آبادی کو متحرک کرنے کے بعد میدان عرفات میں جمع کر کے حج کے اس مبارک سفر کو دین کی تعلیم کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا گیا۔ اسلام کے ابتدائی ایام تھے، جاہلی تہذیب کے مقابلے میں خالص توحید کی بنا پر اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس مرحلے پر اس کے بنیادی خدوخال کو اجاگر کرنے اور اس کے اصول و مبادی واضح کرنے کی ضرورت تھی، چنانچہ ایک نئی قوم کی داغ بیل رکھنے اور عوام الناس کو اس کا شعور دینے کے لیے حج کے سفر کو ذریعہ بنایا گیا۔ متعدد صحابہؓ کا قول ہے کہ انھوں نے دین کے اکثر مسائل اس سفر میں سیکھے۔ عوامی تحرک کو اگر صحیح نہج اور اسلامی خطوط پر چلایا جائے تو یہ دعوتِ اسلامی کو عام کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ بنے گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا ہر کارکن اس عوامی تحریک کا خلوص اور اسلامی جذبے کے ساتھ حصہ بنے، اس کی منصوبہ بندی کے لیے اپنی تجاویز سے مقامی قیادت کو آگاہ کرے اور ہر چھوٹی بڑی آبادی میں عورتوں اور بچوں سمیت پوری آبادی بالخصوص نوجوانوں کو متحرک کر دے۔ جماعت اسلامی کے کارکنوں کا فرض ہے کہ دوسری دینی جماعتوں کے کارکنوں کے ساتھ مل کر متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارم پر عوام کو منظم کر دیں۔ اس کے لیے طلبہ اور نوجوانوں کی تنظیمیں، اسکولوں، کالجوں اور دینی مدارس کے عام طلبہ کو طلبہ محاذ کے پرچم تلے منظم کر دیں، شبابِ ملّی کی تنظیم ملک بھر کے نوجوانوں کے مسائل کو اجاگر کرنے اور نوجوانوں کو اعلیٰ مقاصد کا شعور دلانے کا بیڑا اٹھائے۔ اور اساتذہ، وکلا، ڈاکٹروں، انجینیروں، تاجروں، مزدوروں اور کسانوں کی تنظیمیں اپنے اپنے طبقے کے لوگوں کو اعلیٰ مقاصد کی خاطر متحرک کرنے کے لیے کنونشن، کارنر میٹنگ اور چھوٹی بڑی نشستوں کا اہتمام کریں۔

اسی طرح بازاروں اور گلی کوچوں [illegible] ناس کو متوجہ کر کے ان کے سامنے پانچ پانچ منٹ کی چھوٹی چھوٹی تقریریں کرنے کے لیے نوجوان عوامی مقررین کے گروپ تشکیل دیے جائیں۔ یہ مقررین عوام الناس کو موجودہ زبوں حالی سے نکال کر بلندی اور رفعت تک جانے کے سفر پر آمادہ کریں، انھیں اپنے ساتھ منظم جدوجہد میں شامل ہونے کی دعوت و تلقین کریں اور عملاً انھیں اپنے ساتھ لے کر چلیں۔ عوام کو محلوں اور گاؤں کی سطح سے اٹھا کر تحصیل اور ضلع کی سطح کے جلسوں میں اور بالآخر بڑے شہروں کے جلسوں میں لے جائیں اور ان کے جوش و جذبے کو اس حد تک بڑھا دیں کہ وہ قومی سطح کی ملک گیر تحریک کو منزل تک پہنچانے کے لیے دل و جان سے آمادہ ہو جائیں۔ تحریک چلانے والے کارکنوں کو یقین ہونا چاہیے کہ اس تحریک میں ناکامی کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

اس تحریک کا مقصد امت کو انھی مقاصد کے لیے منظم کرنا ہوگا جس کے لیے اسے 'اُمتِ وسط' قرار دے کر عدل و انصاف کا پرچم بلند کرنے کا فریضہ اللہ کی طرف سے سپرد کیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (البقرہ ۲:۱۴۳) اسی طرح ہم نے تم مسلمانوں کو ایک 'اُمتِ وَسط' بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

یہ عوامی تحریک آئینی اور قانونی حدود کے اندر ہوگی۔ اس تحریک کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ یہ مکمل طور پر پرامن ہو اور ہر طرح کی توڑ پھوڑ سے اجتناب کر کے اسے قوم کی تنظیم اور اتحاد کا ذریعہ بنایا جائے تاکہ جبر کی طاقتوں کو کوئی بہانہ نہ ملے کہ وہ تشدد کر کے اس تحریک کا راستہ روک سکیں۔ اسمبلیوں کا فلور بھی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے مفید ہے لیکن ایک موقع ایسا آسکتا ہے جب اسمبلیوں سے باہر آکر عوام کی صفوں میں شامل ہونا تحریک کی کامیابی کے لیے ضروری ہوگا۔ اس وقت تک اسمبلیوں کے اندر عوام کی ترجمانی کا حق ادا کرنے کے لیے اپوزیشن جماعتوں کو متحد ہونا چاہیے لیکن ممبرانِ اسمبلی کے استعفے قیادت کے پاس جمع کرانا ضروری ہے تاکہ جب بھی مناسب موقع ہو اور جب بھی حالات کا تقاضا ہو، یہ استعفے پیش کر دیے جائیں۔

پرویز مشرف کی حکومت سراسر ناجائز اور غیر آئینی ہے۔ اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ موجودہ اسمبلیوں کے ذریعے اپنے آپ کو دوبارہ منتخب کروانا چاہتا ہے۔ یہ صراحتاً ایک غیر آئینی راستہ ہے لیکن جن لوگوں نے دنیا کے چھوٹے چھوٹے مفاد کی خاطر اپنا ضمیر و ایمان فروخت کر دیا ہے اور ان کے مفادات اس غیر اخلاقی اور غیر قانونی نظام سے وابستہ ہیں، وہ کسی بھی ذلت کو گوارا کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ ملک و قوم کی خیر خواہی رکھنے والے تمام عناصر کا فرض ہے کہ وہ اس کھلے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔

کسی بڑی تبدیلی کے لیے ناگزیر ہے کہ قیادت اور کارکنان قربانیوں کے لیے تیار ہوں۔ جبر کے ہتھکنڈے توڑنے کے لیے ہمارے بھائی فلسطین، عراق، چیچنیا، کشمیر اور افغانستان میں لازوال قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ پاکستان کے حالات بھی قربانیاں دینے کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ قربانیاں مختلف نوعیت کی ہیں، یہ جدوجہد بھی مختلف نوعیت کی ہے، اس میں ظلم و جور کی طاقتوں کے سامنے صبر، ہمت اور حوصلے کا ہتھیار لے کر پُرامن جدوجہد کے مختلف النوع طریقے آزمانے پڑیں گے۔ بڑے پیمانے پر گرفتاریاں پیش کرنا اور ظالم حکمرانوں کے ظلم کے مقابلے میں سینہ سپر ہونا اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اگر عوام بڑی تعداد میں منظم ہو کر نکلیں گے تو بہت ممکن ہے کہ کسی کو لاٹھی اور گولی سے کام لینے کی ہمت نہ ہو سکے لیکن کارکنوں کو جبر کے ان ہتھکنڈوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، اور سب سے پہلے ہر سطح کی قیادت کو قربانی دینے کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔

ہم اس بات پر متفق ہیں کہ غیر ملکی استعمار اور اس کی حواری قیادت سے نجات حاصل کرنے اور سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ نظام کے ظلم کی جگہ اسلام کا نظام عدل و انصاف نافذ کرنے کے لیے اس طرح کی تحریک کے سوا کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں ہے۔ لیکن اس تحریک کو کس انداز میں چلایا جائے، کن مراحل سے اس تحریک کو گزارا جائے اور اس کو کس انداز میں منزل تک پہنچایا جائے؟ اس کے لیے مسلسل مشاورت کی ضرورت ہے، اور خود حضور نبی کریمؐ کو اپنے ساتھیوں سے مشاورت کی تلقین کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ - (اٰل عمران ۳:۱۵۹) اور ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمھارا

عزم کسی راے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔

مشاورت کا یہ نظام الحمدللہ اسلامی تحریکوں کا خاصہ ہے اور اسی مشاورت کے نتیجے میں حکیمانہ طرزِعمل سامنے آتا ہے۔ اسلامی تحریک کی قیادت پوری قوم کو یقین دلاتی ہے کہ حکمت اور دانش کے تقاضوں کو پورا کیا جائے گا اور اس کے ساتھ اللہ کے بھروسے اور توکل پر کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔

کچھ لوگ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ بین الاقوامی قوتیں موجودہ فوجی حکمرانوں کو صاف اور شفاف انتخابات منعقد کرنے پر مجبور کریں گی۔ ضمنی انتخابات کے بعد پورے ملک میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات جس نہج پر کروائے گئے ہیں ان سے بھی اگر کچھ لوگوں کی غلط فہمی دور نہیں ہوئی تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ لوگ عوام کو موجودہ حکمرانوں کی موجودگی میں انتخابات کا راستہ دکھا کر خود اس غیرآئینی، غیرجمہوری اور غیراخلاقی نظام کا حصہ بننا چاہتے ہیں اور غیرملکی آقا جن مقاصد کے لیے موجودہ حکمرانوں کی سرپرستی کر رہے ہیں، یہ عناصر بھی انھی غیرملکی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے عوام دشمن اور قومی خودمختاری و سالمیت کے منافی مقاصد کے لیے آلہ کار بننے کو تیار ہیں۔ عوام کو اس طرح کے عناصر کے خفیہ ہتھکنڈوں اور سازشی کردار سے باخبر رکھنا محبِ وطن عناصر کا فرض ہے۔

ملک کے اندر اپوزیشن کی صفوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو موجودہ حکمرانوں کے لادین اور امریکا کی خواہشات سے مطابقت رکھنے والے ایجنڈے سے متفق ہیں لیکن محض اقتدار میں شراکت کی خاطر اور اپنی بدعنوانی اور خیانت کو چھپانے اور قانون کی گرفت میں آنے سے بچنے کے لیے ان کی مخالفت پر آمادہ ہیں۔ اس طرح کے عناصر اس وقت بھی کسی تحریک کے لیے مخلصانہ کردار ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور آیندہ بھی ان کے تعاون پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

میثاقِ جمہوریت پر دستخط کر کے میاں محمد نواز شریف اور محترمہ بے نظیر بھٹو نے قوم کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ اپنے سابقہ ادوارِ حکومت میں دونوں نے جن غلطیوں کا ارتکاب کیا تھا، اگر آیندہ انھیں موقع ملا تو وہ ان سے اجتناب کریں گے اور پاکستانی آئین کی اصل روح کے ساتھ

وفا کر کے اپنے اختیارات اپوزیشن کے مشورے کے ساتھ استعمال کریں گے، فوج کو مداخلت کی دعوت نہیں دیں گے اور نہ اس کے ساتھ کسی ساز باز میں شریک ہوں گے، عدلیہ کی آزادی کا احترام کریں گے اور آزاد الیکشن کمیشن کی تشکیل کا اہتمام کریں گے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے اس عہد اور میثاق پر قائم رہنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اگرچہ ان کا سابقہ ریکارڈ یہ بتاتا ہے کہ آئین کا حلف اٹھانے کے باوجود انھوں نے نہ اس سے وفا کی تھی، نہ اپنے حلیفوں کے ساتھ کیے گئے وعدوں کو پورا کیا تھا اور نہ اپنے انتخابی منشور کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تھی، تاہم ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں توفیق دے کہ وہ ملک کو آمریت سے نجات دلانے کے لیے عوامی اسلامی قوتوں کا ساتھ دیں۔

شنگھائی میں روس اور چین کے ساتھ ایران، پاکستان، افغانستان، تاجکستان، قازقستان اور ازبکستان کے سربراہوں کی کانفرنس علاقے کو امریکا کے چنگل سے نکالنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ پاکستان نے شنگھائی ممالک کی تنظیم میں باقاعدہ شمولیت کی درخواست بھی کی ہے لیکن پاکستان اور افغانستان دونوں اس وقت امریکا کے چنگل میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں اور دونوں کے حکمرانوں نے اس طرح کا کوئی عندیہ نہیں دیا کہ وہ واقعی اس چنگل سے نکلنا چاہتے ہیں۔ افغانستان تو عملاً نیٹو افواج کے قبضے میں ہے اور پاکستانی حکومت امریکا کے پاکستان مخالف اقدامات کے باوجود پوری ڈھٹائی سے کہہ رہی ہے کہ وہ امریکا کی صف اول کی حلیف ہے۔ نہ صرف خارجہ پالیسی بلکہ داخلہ اور تعلیمی و معاشی پالیسیوں میں بھی امریکا کے احکام اور اس کی ہدایات پر مکمل عمل درآمد ہو رہا ہے۔ حال ہی میں پاکستان کے وزیراعظم نے قوم کو یہ مژدہ سنایا کہ عالمی بنک نے چار سال کے لیے پاکستان کو آسان شرائط کے ساتھ ساڑھے چھے ارب ڈالر کا قرضہ دینا منظور کرلیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وزیراعظم یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ انھوں نے کشکول توڑ دیا ہے۔ قوم کو اور اس کی آیندہ نسلوں کو قرضے کی یہ زنجیریں پہنانے کے بعد ایک آزاد خارجہ پالیسی اور امریکی مداخلت سے نجات کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

حکومت پاکستان کے اس رویے کے تضادات ہر صاحب عقل پر عیاں ہیں اور جب تک امریکی چنگل سے نکلنے کی واضح تدابیر اختیار نہیں کی جائیں گی، اس وقت تک یقین سے نہیں

کہا جاسکتا کہ حکومت پاکستان اپنی خارجہ پالیسی میں کوئی بنیادی تبدیلی لانے میں واقعی مخلص ہے۔

حکومت کی موجودہ پالیسی امریکا کے تابع مہمل بن کر رہنے کی ہے اور اس کے نتیجے میں پاکستانی فوج قبائلی علاقے میں ایک خوف ناک صورت حال سے دوچار ہے، اس تناظر میں وہاں غیر ملکی مداخلت کا خطرہ روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔ بلوچستان اور قبائلی علاقے میں ہماری فوج کو جس طرح الجھا دیا گیا ہے اس سے ملکی سالمیت کو ایک فوری خطرہ درپیش ہے اور اس صورت حال کا فوری تقاضا ہے کہ ملک کی قیادت کو تبدیل کردیا جائے، لیکن ایک جرنیل کے جانے کے بعد دوسرے جرنیل کے آنے سے حقیقی اور عوامی خواہشات کے مطابق تبدیلی نہیں آسکتی اور نہ کچھ آزمائے ہوئے لوگوں کے درمیان اقتدار کی گردش سے کسی بنیادی تبدیلی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ حقیقی تبدیلی ایسی قیادت کے ذریعے ہی آسکتی ہے جس کو عوام الناس اپنے اجتماعی ارادے سے اقتدار سونپیں اور منظم ہوکر ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند اس کی پشت پر کھڑے ہوجائیں اور وہ قیادت ملک کے تمام اداروں میں عوامی امنگوں کے مطابق بنیادی تبدیلیاں لائے۔

○ اس وقت ملک کے عدالتی نظام میں بھی بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے، ایک ایسی تبدیلی جو اس کے فرسودہ ڈھانچے کو یکسر تبدیل کر کے عوام کو جلد اور مفت انصاف کی فراہمی کو یقینی بنادے اور جب تک مظلوم کو ظالم کے مقابلے میں انصاف نہ ملے اس کو حکمرانوں کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کا حق حاصل ہو۔ حدود قوانین پر بحث کے دوران علمائے کرام کے پینل نے برموقع صحیح نشان دہی کی کہ حدود قوانین میں سقم نہیں ہے بلکہ بنیادی خرابی عدالت اور پولیس کے نظام میں ہے جس کی فوری اصلاح کی ضرورت ہے۔

○ ملک کے معاشی نظام کو اس طرح تبدیل کرنے کی ضرورت ہے کہ ملکی وسائل پر پہلا حق غریب کا تسلیم کرلیا جائے اور جب تک ایک ایک غریب اور بے نوا آدمی کی روٹی، کپڑے، مکان، علاج اور تعلیم جیسی بنیادی ضروریات پوری نہ ہوں اس وقت تک طبقۂ امرا کی ضروریات کو مؤخر کردیا جائے۔

○ ملک کے اندر یکساں نظام تعلیم کے ذریعے پوری قوم کو یک رنگ کردیا جائے اور اسلامی اقدار پر مبنی اخلاقی تعلیم و تربیت کو تعلیمی نظام کا جزو لاینفک بنا دیا جائے کہ قوم کی اخلاقی

تعلیم و تربیت اور علم و تحقیق اور ایجاد و اختراع کی اعلیٰ صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے ذریعے ہی اسے عروج اور سربلندی کے سفر پر مسلسل آگے بڑھنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔

ملک سے بے روزگاری کو ختم کر کے عوام کو مفید اور مثبت سرگرمیوں میں مشغول کر دینا، ملکی تعمیرنو کے لیے قوم کو ہنرمند بنانا اور اس کے علم و ہنر کو منظم منصوبوں کے ذریعے ملک کی ترقی میں استعمال کرنا ایک محبِ وطن اور محبِ قوم عوامی قیادت کا اولین فرض ہے۔

ان اعلیٰ مقاصد کا شعور دے کر پوری قوم کو بڑے پیمانے پر قومی تعمیرنو کی خاطر خوابِ گراں سے بیدار کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کیجیے اور اس میں عملی طور پر ہمارا ساتھ دیجیے۔ آپ اللہ کے راستے میں ایک قدم آگے بڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے مزید راستے کھول دے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت ۲۹:۶۹) اور جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔

اور جب آپ اللہ کے کلمے کی سربلندی کی خاطر مخلصانہ جدوجہد کریں گے تو اللہ کی مدد و نصرت آپ کے شامل حال ہوگی، اور بالآخر دنیا میں کامیابی اور آخرت میں جنت کی نعمتیں آپ کے حصے میں آئیں گی۔ اللہ رب ذوالجلال نے قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الصف ۶۱: ۱۲-۱۳) اللہ تمھارے گناہ معاف کردے گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمھیں عطا فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو، وہ بھی تمھیں دے گا، اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہوجانے والی فتح۔ اے نبیؐ، اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔

غریب ملک کے حکمرانوں کی شاہ خرچیاں

پروفیسر خورشید احمد

اعداد وشمار کے سارے کھیل کے باوجود یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ پاکستان دنیا کے غریب ملکوں کی فہرست میں بھی خاصا نیچے آتا ہے۔ غربت کی سرکاری تعریف اور اعداد وشمار کی تازہ ترین تزئین کے باوجود جو حقیقت میں تکذیب وتحریف (falsification) کی ایک کوشش ہے' آبادی کا ایک چوتھائی حصہ غربت کی اس لکیر سے بھی نیچے زندگی گزارنے کی تگ ودو کر رہا ہے جو جسم اور جان کے رشتے کو بس باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے' یعنی ۱۶ کروڑ انسانوں میں سے ۴ کروڑ افراد اس اذیت ناک صورت حال سے دوچار ہیں۔ لیکن اگر آزاد ماہرین معاشیات کے اندازوں کو لیا جائے تو یہ تعداد آبادی کا کم از کم ۳۳ فی صد بلکہ ۴۰ فی صد ہے' یعنی سوا پانچ سے ساڑھے چھے کروڑ نفوس۔

یونیسیف (UNICEF) کے تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق جنوبی ایشیا میں پانچ سال کی عمر سے کم کے بچوں کا تقریباً نصف اپنی عمر کے مطابق مطلوبہ وزن سے کم (under weight) ہے جو کمیِ تغذیہ (under-nourishment) کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ پاکستان میں ان پانچ سال سے کم عمر کے کمیِ تغذیہ کا شکار بچوں کی تعداد ۸۰ لاکھ ہے جو اس عمر کے بچوں کا ۴۶ فی صد ہے (ڈان' ۳ مئی ۲۰۰۶ء)۔ پورے ملک میں کچی آبادیوں کا جال پھیلا ہوا ہے اور کراچی جیسے شہر میں جہاں دولت کی ریل پیل ہے' کُل آبادرقبے کے ۵۵ فی صد پر کچی آبادیاں ہیں جو ہر بنیادی سہولت سے محروم ہیں اور گندگی اور بیماریوں کی آماج گاہ بنی ہوئی ہیں۔ (ڈیلی ٹائمز' ۴ مئی ۲۰۰۶ء)

پورے ملک میں ۶ء۵۸ فی صد آبادی کو صاف پینے کا پانی میسر نہیں ہے اور وہ مجبور ہیں کہ جراثیم اور کثافت سے آلودہ پانی استعمال کریں بلکہ دیہی علاقوں میں تو انسان اور ڈھور ڈنگر ایک ہی تالاب یا نالے سے یہ آلودہ پانی استعمال کر رہے ہیں۔ (ڈیلی ٹائمز' ۳۱ دسمبر ۲۰۰۵ء)

تعلیم کا جو حال ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ نصف آبادی ناخواندگی کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی ہے اور جو اپنے کو تعلیم یافتہ سمجھ رہے ہیں ان کی ڈگریاں روزگار کے حصول کا ذریعہ بننے سے قاصر ہیں۔ ورلڈ بنک کی تازہ ترین رپورٹ کا یہ دعویٰ بھی روح فرسا ہے کہ نہ صرف جنوب ایشیا میں بلکہ غیر ترقی یافتہ ممالک کی پوری فہرست میں پاکستان کا شمار ان ملکوں میں ہوتا ہے جو تعلیم پر قومی دولت کا سب سے کم حصہ خرچ کر رہے ہیں۔ تعلیم پر جنوب ایشیا میں اوسطاً خرچ قومی دولت کا ۶ء۳ فی صد ہے' جب کہ تمام ترقی پذیر ممالک کا اوسط ۴ء۳ ہے۔ پاکستان میں یہ حصہ صرف ۱ء۲ فی صد ہے (سرکاری دستاویز معاشی جائزہ' ۰۶-۲۰۰۵ء)' جب کہ ورلڈ بنک از راہ کرم اس رقم کو قومی آمدنی کا ۳ء۲ فی صد کہہ رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو ورلڈ بنک کی Green Data Book 2006' بحوالہ ڈان' ۱۲ مئی ۲۰۰۶ء)

غربت اور محرومی کی یہ داستان بڑی طویل ہے لیکن ان چند حقائق کے پس منظر میں اب اس غریب ملک کے حکمرانوں کی اللّے تللّے شاہ خرچیوں کا بھی ایک منظر دیکھ لیں۔ جو کچھ ہم پیش کر رہے ہیں وہ اس گھناؤنی اور شرم ناک تصویر کی صرف ایک چھوٹی سی جھلک ہے ورنہ تفصیل میں جائیں تو 'تن ہمہ داغ داغ شد' کی کیفیت ہے۔

ایوانِ صدر سے بات کا آغاز کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص اس وقت ایک نہیں' دو گھروں پر قابض ہے یعنی ایوانِ صدر کے ساتھ ساتھ چیف آف اسٹاف کا وہ محل بھی اسی کے تصرف میں ہے جس کا سارا خرچ دفاع کے مقدس بجٹ سے کیا جاتا ہے۔ صرف اسلام آباد کے ایوانِ صدر کے انتظام اور رکھ رکھاؤ پر سال گذشتہ میں ۲۶ کروڑ ۱۶ لاکھ روپے خرچ ہوئے ہیں اور نئے سال کے لیے اس کو بڑھا کر ۲۹ کروڑ کر دیا گیا ہے۔ ایوانِ صدر کے صرف باغات کی دیکھ بھال پر ۷۰ لاکھ سالانہ خرچ ہو رہے ہیں۔ ۲۰ جون ۲۰۰۶ء (ڈان' ۲۱ جون ۲۰۰۶ء) کو سی ڈی اے نے اپنا جو نیا بجٹ شائع کیا ہے اس میں ایوانِ صدر میں نئی تعمیرات کے لیے ۲۱ کروڑ ۵۰ لاکھ کی رقم رکھی گئی

جسے مرکز کے ترقیاتی بجٹ (Public Sector Development Programme) سے لیا جائے گا۔ عوام کم از کم ۵۵ لاکھ مکانات کی کمی سے دوچار ہیں اور اسلام آباد کے سرکاری عملے کے صرف دسویں حصّے کو سرکاری مکانات کی سہولت حاصل ہے مگر 'غریب دوست بجٹ' اور 'غربت کم کرنے والے ترقیاتی پروگرام' پر پہلا حق صدر محترم کا ہے۔

گذشتہ سال کے بجٹ میں وزیراعظم صاحب کے گھر اور دفتر پر خرچ ۲۳ کروڑ ۴۰ لاکھ تھا جسے آیندہ سال بڑھا کر ۵۳ کروڑ ۸۷ لاکھ کردیا گیا ہے اور وجہ زلزلہ زدگان کی مدد کے لیے دفتری نظام کی وسعت ہے۔ زلزلہ زدگان پر تو جو بھی گزر رہی ہے وہ معلوم ہے لیکن شاید غالب نے اسی کے لیے کہا تھا کہ ان کے نام پر

بنا ہے عیش تجمل حسین خان کے لیے

جب ایوانِ صدر اور وزیراعظم کے دفتر اور دیوان خانہ کا یہ حال ہے تو پھر قومی اسمبلی کے اسپیکر کیوں پیچھے رہیں۔ ان کا مطالبہ ہے کہ ان کے لیے جو گھر تعمیر کیا جائے وہ ۳ہزار گز کے سرکاری پلاٹ پر ۴ منزلہ ہو جس کا صرف تعمیر کا خرچ ۸ کروڑ ۴۷ لاکھ ہوگا۔ اس پر پلاننگ کمیشن تک نے اعتراض کیا ہے لیکن عوام کے نمایندوں کا اصرار ہے کہ ان کے شایانِ شان مکان کے لیے کروڑوں روپے کی اس قیمتی زمین پر صرف تعمیر کے لیے ساڑھے آٹھ کروڑ کا خرچ کچھ زیادہ نہیں!

وزراے کرام کی فوج ظفرموج پر کیبنٹ ڈویژن کے بجٹ میں سال گذشتہ میں ۱۲ کروڑ رکھے گئے تھے جنھیں بڑھا کر اب ۱۴ کروڑ کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے خفیہ فنڈ (secret fund) کے لیے ۴۰ لاکھ کی رقم رکھی گئی ہے تاکہ ہر وزیر ۶ لاکھ اور ہر وزیرمملکت کو ۴ لاکھ سالانہ مل سکیں جس کا کوئی حساب کتاب اس دنیا میں نہیں ہوگا۔

حکمرانوں کے بیرونی سفر بھی اس غریب ملک کے محدود وسائل کے بدترین استعمال کی شرم ناک مثال ہیں۔ ایک ایک سفر میں پانچ دس نہیں ۶۰،۷۰ شرکاے سفر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کوئی مہینہ ایسا نہیں کہ صدر اور وزیراعظم رختِ سفر نہ باندھیں۔ وزرا، ارکانِ پارلیمنٹ اور سرکاری حکام کے بیرونی اسفار کی لین ڈوری لگی ہوئی ہے اور حاصل یہ ہے کہ پاکستان دنیا میں روز بروز تنہا ہوتا جارہا ہے۔ جن کی خوشامد کے لیے سفر پر سفر کیے جارہے ہیں وہ صرف ہاتھ مروڑنے اور مزید محکومی

اور اطاعت کے مطالبات کر رہے ہیں۔ خزانے پر اس کا کتنا مالی بوجھ ہے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ سالِ رواں کے بجٹ کی دستاویز کی روشنی میں صرف صدر اور وزیراعظم اور ان کے ہمراہ جانے والوں کے کُل سفری اخراجات ایک ارب روپے سے زیادہ ہیں۔ وزارتِ خارجہ کے بجٹ میں ۲۰۰۵-۰۶ء کے لیے صرف صدر اور وزیراعظم کے دوروں کے لیے ایک ارب کے مصارف بیان کیے گئے ہیں اور سابقہ بجٹ میں مختص رقم میں بھی ضمنی مطالبات زر کے مطابق ۲۵ کروڑ کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں سے ۱۰ کروڑ صدر کے لیے اور ۱۵ کروڑ وزیراعظم کے لیے ہیں جن کے کل اسفار کا خرچہ ۷۵ کروڑ سے متجاوز ہے۔ (ملاحظہ ہو دی نیوز' ۲۱ جون ۲۰۰۶ء)

ڈان کے کالم نگار سلطان احمد نے پورے سال کے صدر' وزیراعظم' وزرائے کرام' ارکانِ پارلیمنٹ اور اعلیٰ سرکاری حکام کے دوروں پر مجموعی خرچ ہونے والی رقم کا تخمینہ ۴ ارب روپے سے زیادہ بیان کیا ہے۔ کوئی نہیں جو قومی دولت کے اس بے محابا ضیاع کا مؤثر احتساب کرے!

بہت زیادہ اہم شخصیت (VVIP) کے زیراستعمال جہاز کی صرف ایک سال کی دیکھ بھال اور اس کی تزئین و آرایش پر ۷۵ کروڑ ۷۰ لاکھ روپے خرچ کیے گئے ہیں (بحوالہ Supplementary Demands for Grants and Appropriations 2005-06 ص ۲۱)

جس ملک کے عام شہری کو سائیکل/موٹر سائیکل یا اچھی پبلک ٹرانسپورٹ میسر نہیں' اس کے حکمرانوں کی قیمتی کاروں کی ہوس کی کوئی انتہا نہیں۔ گذشتہ چند سال میں کیبنٹ ڈویژن نے اہم شخصیات (VVIPs) کے استعمال کے لیے ۵۵ لگژری کاریں درآمد کی ہیں جن پر ۲ ارب روپے سے زیادہ خرچ ہوا ہے۔ ان میں ۳۲ مرسڈیز بینز کاریں اور جیپیں ہیں۔ لگژری کاروں کی خرید میں اضافے کی رفتار اس طرح ہے کہ ۲۰۰۳ء میں ۱۰' ۲۰۰۴ء میں ۱۴ اور ۲۰۰۵ء میں ۳۱۔ ۲۰۰۵-۰۶ء کے حسابات میں صرف مزید ۱۰ گاڑیاں درآمد کی گئی ہیں جو ایک ارب سے زیادہ کی مالیت کی ہیں اور ان کی درآمدی ڈیوٹی اور ٹیکسوں کی مد میں ۳۶ کروڑ ۶۰ لاکھ کا خرچ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ وزیراعظم کے دفتر کے لیے مزید دو گاڑیاں ایک کروڑ ۶۴ لاکھ کے صرفے سے خریدی گئی ہیں۔

شاہ خرچیوں کی ایک اور قسم وہ تحائف ہیں جو اس غریب ملک کے حکمران بڑے بڑے امیر ملکوں کے حکمرانوں اور کارندوں کو بڑی فراخ دلی سے پیش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ

ان کے دل جیت رہے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ اپنے آپ کو ان کے مضحکے کا ہدف بنانے کے سوا کچھ حاصل نہیں کرسکتے۔ اس کی تازہ مثال وہ تفصیل ہے جو امریکا کے اخبارات میں پاکستانی حکمرانوں کی طرف سے صرف ایک سال میں دیے گئے تحفوں کی شائع کی گئی ہے۔ اس میں صدر بش' ان کی بیگم' امریکی وزرا' حتیٰ کہ سی آئی اے کے کارکنوں کو صدر' ان کی اہلیہ اور وزیراعظم کی طرف سے دیے گئے قیمتی قالینوں' شالوں' جواہرات' زیورات اور نایاب نوادرات کا تذکرہ بڑے کڑوے طنز کے ساتھ کیا گیا ہے۔ دو ایک نمونے ہماری قوم کے سامنے بھی آجانے چاہییں۔

جنرل پرویز مشرف نے دسمبر ۲۰۰۴ء میں صدر بش کو نگینوں سے مزین ایک چوبی میز تحفتاً دی جس کی قیمت ۱۴۰۰ ڈالر تھی۔ اس کے علاوہ بش صاحب کو ایک پرانی بندوق (antique muzzle loader) جو ۲۰۰ سال پرانی ہے' نیز پاکستان کا بنا ہوا قیمتی اُونی کوٹ اور ٹوپی بھی پیش کی گئی ہے۔ بیگم مشرف نے لورا بش کو سونے اور ہیروں بھرے قیمتی بُندے پیش کیے جسے امریکی اخبارات نے اس طرح بیان کیا ہے: "gold light and dark pink garnet and pink tourmaline chandelier ear rings"۔ اس کے علاوہ محترمہ نے موصوفہ کو ایک نیکلس بھی پیش فرمایا جس کی منظرکشی امریکی اخبارات نے ان الفاظ میں کی ہے: "17 light and dark pink tourmaline beaded necklace".

کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ تحفے' تحفہ دینے والوں کی دل آزاری سے بچنے کے لیے قبول کیے گئے۔ واضح رہے کہ جنرل پرویز مشرف اور ان کی اہلیہ کی فیاضی صرف صدر بش اور لورا بش تک ہی محدود نہ تھی بلکہ سیکرٹری آف اسٹیٹ کولن پاول' ڈپٹی سیکورٹی ایڈوائزر اسٹیفن ہیڈلے' ان کے ماتحت افسران' ارکانِ سینیٹ حتیٰ کہ سی آئی اے کے کارندوں کو بھی قیمتی تحفوں سے نوازا گیا۔۔۔ اور وہ ایسا کیوں نہ کرتے؟ آخر پاکستان کے غریب عوام کے خون پسینے کی کمائی کا ان آقایانِ والا مدار سے زیادہ حق دار کون ہوسکتا تھا؟

خرچ کی ایک اور دل خراش مَد' خوش حال پاکستان کی پبلسٹی اور پاکستان کی خوش گوار تصویر (soft image) پیش کرنے کی مہم ہے جن پر علی الترتیب ۱۰ کروڑ اور ۱۲ کروڑ ۶۲ لاکھ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ اگر یہ ۲۲ کروڑ روپے اور دوسری تمام رقوم جو مل کر اربوں روپے بنتے ہیں تعلیم' غریبوں

کے علاج یا محتاجوں کی مدد کے لیے استعمال ہوتے تو پاکستان فی الحقیقت خوش حالی کی منزل کی طرف بڑھ سکتا تھا اور صرف تصویر (image) ہی نہیں بلکہ حقیقت میں ایک ایسا ملک بن سکتا تھا جس کی نیک نامی کسی نمایشی پروپیگنڈے کی محتاج نہ ہوتی۔

اسلام نے قومی خزانے کے امانت ہونے کا جو تصور دیا ہے اور دورِ خلفاے راشدہ میں اس سلسلے میں جو معیار قائم کیا گیا اس کی تو بات ہی کیا' خود پاکستان کے بانی قائداعظم کی مثال بھی کچھ کم ایمان افروز نہیں۔ انھوں نے اپنے لیے بطور گورنر جنرل نیا جہاز حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔ ملک کے باہر اپنا علاج کرانے سے روک دیا۔ سرکاری خزانے سے کی جانے والی دعوتوں پر شدید کنٹرول رکھا' مہمانوں کی تواضع کے لیے بھی کھانے کی مقدار اور پھلوں تک کی تعداد مقرر کی اور جب ان کے لیے ایک باورچی کو لاہور سے زیارت لایا گیا جس کا پکایا ہوا کھانا وہ رغبت سے کھاتے تھے' تو فوراً اسے واپس کرا دیا اور اس کی آمد و رفت کا خرچ بھی اپنی جیب سے ادا کیا۔

ایک وہ قائد تھے اور ایک آج کے حکمران۔ یہی فرق ہے کہ ان قائدین کی جدوجہد کے نتیجے میں انگریز اور ہندو کی ہمہ جہت مخالفت کے باوجود پاکستان کی جدوجہد کامیاب ہوئی اور مسلمانانِ ہند کو آزادی کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور رہے آج کے حکمران' تو یہ قومی دولت کو آنکھیں بند کر کے لٹا رہے ہیں' ان کی عیاشیوں اور تن آسانیوں کی کوئی حد نہیں رہی ہے اور ان کے ہاتھوں ملک کی آزادی' حاکمیت' عزت اور حمیت سب داؤ پر لگے ہوئے ہیں۔ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ قوم امانت میں خیانت کرنے والوں کا حقیقی احتساب کرے اور ایسی قیادت بروے کار لائے جو صادق اور امین ہو۔

راہِ فرار اختیار کرنے والے

حسن البنا شہیدؒ / ترجمہ: عبدالغفار عزیز

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ
عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا
مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ عَفَا
اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ
الْكٰذِبِيْنَ ۝ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝
اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ
قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ
لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ
اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا
وَّلَا۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا
لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝

(التوبہ۹: ۴۲-۴۸) اے نبیؐ، اگر فائدہ سہل الحصول ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تمھارے پیچھے چلنے پر آمادہ ہوجاتے‘ مگر اُن پر تو یہ راستہ بہت کٹھن ہوگیا۔ اب وہ

خدا کی قسم کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم چل سکتے تو یقیناً تمھارے ساتھ چلتے۔ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اے نبیؐ! اللہ تمھیں معاف کرے، تم نے کیوں انھیں رخصت دے دی؟ (تمھیں چاہیے تھا کہ خود رخصت نہ دیتے) تاکہ تم پر کھل جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی تم جان لیتے۔ جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی تم سے یہ درخواست نہ کریں گے کہ انھیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ ایسی درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں رکھتے، جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متردّد ہو رہے ہیں۔ اگر واقعی اُن کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو وہ اس کے لیے کچھ تیاری کرتے۔ لیکن اللہ کو ان کا اُٹھنا پسند ہی نہ تھا۔ اس لیے اس نے انھیں سُست کر دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھ رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ۔ اگر وہ تمھارے ساتھ نکلتے تو تمھارے اندر خرابی کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے۔ وہ تمھارے درمیان فتنہ پردازی کے لیے دَوڑ دھوپ کرتے، اور تمھارے گروہ کا حال یہ ہے کہ ابھی اُن میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں، اللہ اِن ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اس سے پہلے بھی ان لوگوں نے فتنہ انگیزی کی کوششیں کی ہیں اور تمھیں ناکام کرنے کے لیے یہ ہر طرح کی تدبیروں کا اُلٹ پھیر کر چکے ہیں یہاں تک کہ ان کی مرضی کے خلاف حق آ گیا اور اللہ کا کام ہو کر رہا۔

سورۂ توبہ کی ان آیات میں لوگوں کے اس بڑے گروہ کا ذکر ہے جو کم سے کم قربانی دے کر زیادہ سے زیادہ فوائد و نفع سمیٹنا چاہتا ہے۔ جب انھیں منزل کے حصول کے لیے محنت اور کامیابی پانے کے لیے جہاد کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ مختلف علتوں اور حیلوں کا سہارا لیتے ہیں اور فریب پر مبنی اپنی ان حرکات پر جھوٹی قسمیں کھاتے ہوئے کہتے ہیں: خدا کی قسم! اگر ہم جا سکتے تو تمھارے ساتھ ضرور جاتے...... اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور پھر اپنے مکر و خباثت میں انتہا کو چھوتے ہوئے غلط بیانی کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے کے لیے آپ سے اجازت و رخصت طلب کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اخلاق و مروت کی اعلیٰ مثال تھے۔ لوگوں سے نرمی' حسن معاملہ' ان کی عیب پوشی اور ان سے رحم دلانہ برتاؤ آپؐ کی فطرت و جبلت میں شامل تھا (اور کیوں نہ ہوتا کہ آپؐ رحمۃ للعالمین تھے)' اس لیے لوگ آپؐ سے معاملات کرتے ہوئے آپؐ کی ان صفات کو ذہن میں رکھتے تھے۔ ان اجازت لینے والوں کو بھی اجازت مل جانے کا یقین واطمینان ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت بھی دے دی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو پیار بھرے انداز سے توجہ دلائی اور ارشاد ہوا (عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ) آپؐ نے انھیں کیوں رخصت دے دی (آپؐ کو چاہیے تھا کہ آپؐ انھیں رخصت نہ دیتے) تاکہ آپؐ پر کھل جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں (اور لوگ بھی ان پر اعتماد و بھروسا کرتے) اور تاکہ آپؐ جھوٹوں کو بھی جان لیتے اور آیندہ کے لیے آپؐ بھی ان سے باخبر رہتے اور آپؐ کی اُمت بھی ان سے خبردار رہتی۔ اس طرح حفاظت کا بھی اہتمام ہوتا اور سزا کے مستحق افراد کو سزا بھی مل جاتی۔ اس تنبیہہ خداوندی سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ اہلِ دعوت و تحریک کو اپنی دعوت کی قیمت پر کسی سے رواداری نہیں برتنی چاہیے۔ انھیں سازشیوں اور منافقین کی حقیقت آشکار کر دینا چاہیے تاکہ سب ان سے بچ سکیں۔

عصمتِ انبیاءؑ

اس آیت کے حوالے سے مفسرین نے انبیاے علیہم السلام کی عصمت پر طویل بحث و تمحیص کی ہے۔ اس امر پر اُمت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچانے' انھیں اللہ کا دین سکھانے اور رسالت سے متعلق ہر قول و فعل میں انبیاے کرام معصومِ کامل ہیں۔ لیکن جہاں بات آئے گی کسی اجتہادی ذاتی راے کی تو پھر ہم دیکھیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد میں اپنی راے چھوڑ کر اپنے صحابہؓ کی راے مان لیتے ہیں۔ غزوۂ بدر میں حضرت خبابؓ بن المنذر کی راے کو اپنی راے پر ترجیح دیتے ہیں۔ کھجوروں کی نر و مادہ اقسام میں ملاپ کے بارے میں اپنی راے پر اس میدان کے تجربہ کار ساتھیوں کی راے اپنا لیتے ہیں۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ ایک نابینا ساتھی کے بارے میں سورۂ عبس کی آیات کا نزول ہو رہا ہے' قیدیوں سے فدیہ قبول کر لینے کے بارے

میں آیات نازل ہو رہی ہیں لیکن ان تمام واقعات کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مواقع پر کوئی گناہ یا عصمت کے منافی کوئی فعل سرزد ہوا بلکہ یہ تو وہ اجتہادی معاملات ہیں کہ اگر قرین صواب ہوئے تو دوہرا اجر، وگرنہ اکہرا اجر تو بہرصورت محفوظ ہے۔ یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہی کا ایک مظہر ہے تا کہ شریعت میں اسوۂ حسنہ اور پرستش کا فرق واضح ہو جائے۔

اپنے حبیب سے خطاب کا انداز الٰہی بھی دل و دماغ کو مسحور کر دینے والا ہے۔ اس سے رب ذوالجلال کے نزدیک حبیب کی قدر و منزلت بھی واضح ہوتی ہے کہ جس بات پر توجہ دلانی مقصود ہے اس کا ذکر بعد میں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا ذکر پہلے...... عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ، اللہ آپؐ کو معاف فرمائے، آپؐ نے انھیں کیوں رخصت دے دی۔

دو قسم کے گروہ

پھر قرآن کریم لوگوں کی دو اقسام واضح کرتا ہے: ایک گروہ تو ہے مجاہدین کا اور دوسرا ہے بیٹھ رہنے والے ناکارہ لوگوں کا۔ مجاہدین تو ہمیشہ میدانِ عمل اور پکار کی تلاش میں رہتے ہیں جیسے ہی تحریک وتحرک کا حکم ملا فوراً میدان میں آن نکلے، کیونکہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے اور اس کی راہ میں حقیقی جہاد کرتے ہیں۔ وہ روزِ آخرت پر یقین رکھتے اور اس روز کی کامیابی و جزا کے متمنی و متلاشی ہوتے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کیا ان کا اللہ انھیں اس سے کہیں بہتر اور کہیں زیادہ عطا کر دے گا۔ وہ اپنے کارِ جہاد کے ذریعے خود کو اللہ کے عذاب سے بچانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے خالق کی رضا اور اسی سے جزا کا حصول اور اس کی سزا سے نجات پانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہم تک پہنچاتے ہیں: ''لوگوں میں سے بہترین زندگی اس کی ہے جو ہمیشہ اللہ کی راہ اپنے گھوڑے کی باگیں تھامے رہتا ہے۔ جب بھی جہاد کی ندا یا خوف کی کوئی صدا اس کے کانوں میں پڑتی ہے تو وہ اُڑتا ہوا پہنچ جاتا ہے۔ راہِ خدا میں موت اور شہادت کا متلاشی۔

رہ گئے سُستی کے مارے گھروں میں بیٹھے لوگ تو وہ کٹ حجتی اور بودے عذر گھڑ گھڑ کے

رخصت واجازت لینے کے لیے بحث بحثی میں ہی پڑے رہتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت و دلیل ہوتی ہے کہ اللہ اور روزِ آخرت پر ان کا ایمان ابھی ادھورا ہے۔ ابھی شکوک وشبہات ان کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہیں' کیونکہ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ کسی بھی شخص کو جہاد پر اُبھارنے والی ایمان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور اس راہ سے پیچھے رکھنے میں شک سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ شکوک وتردد ہی کا شکار رہتے ہیں۔

ان کے تردد کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں نکلنے کی کوئی تیاری نہیں کی ہوتی' کوئی زادِ راہ نہیں حاصل کیا ہوتا۔ وہ مسلسل اسی تردد کا شکار رہتے ہیں کہ راہِ خدا میں نکلنا ہے یا نہیں نکلنا۔ یہاں تک کہ خوف' بزدلی اور کمزوری ان پر غالب آجاتی ہے اور وہ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کے اس بیٹھے رہنے اور پیچھے رہ جانے میں بھی مجاہدین کے لیے خیرکثیر پایا جاتا ہے۔ اس طرح کے بے ہمتوں کے ساتھ رہنے سے مجاہدین کی قوت کمزوری ہی واقع ہوتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا اپنے مخلص بندوں پر خصوصی انعام ہوا کہ اس نے ایسے عناصر سے جہاد کرنے اور غلبۂ دین کی خاطر نکل کھڑے ہونے کی توفیق سلب کرلی۔

ارشاد ہوتا ہے: اگر وہ تمھارے ساتھ نکلتے تو تمھارے اندر خرابی کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے' وہ تمھارے درمیان فتنہ پردازی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے' یہ تمھارے ساتھ نکلتے تو بہادر اہلِ ایمان میں سازشیں' فتنے اور شکوک وشبہات ہی پھیلاتے۔ بات بے بات خود بھی اُکھڑ جاتے' دوسروں کو بھی اکھاڑ دیتے۔ تکلیف دہ تبصرے اور جملے بازیاں کرتے' تقسیم کرنے اور اتحاد و وحدت کو نقصان پہنچانے والی باتیں بناتے' حتیٰ کہ سب پر بزدلی طاری ہوجاتی' بزدلی میں وہ تنہا نہ رہتے۔ کیونکہ ہر جگہ ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو ان باتوں سے متاثر ہوتے ہیں' پھر وہ جھوٹی باتوں کو بھی سچ جاننے لگتے ہیں۔ افواہوں پر کان دھرتے ہیں' یہ افواہیں اور غلط بیانیاں ان پر نفسیاتی اثر ڈالتی ہیں' جس سے ان کے افعال واعمال بھی یقینی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔

اس طرح کی صورت حال غزوۂ احد میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ان اہلِ ایمان میں فتنہ پھیلا دیا جو دشمن کا سامنا کرنے کے لیے عملاً نکل کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ان پر اپنا جادو پھونکنے لگا اور کانا پھوسیاں کرنے لگا: ''ہم بھلا کیوں خواہ مخواہ نکل کھڑے

ہوئے ہیں۔ محمدؐ نے ہماری بات ماننے کے بجائے بچوں اور کم عمر و ناتجربہ کار لوگوں کی بات مان لی ہے۔ آخر اس مقابلے اور تحرک کا فائدہ ہمیں کیا ہوگا؟ دھیرے دھیرے اس کی ان باتوں کا اثر پھیلنے لگا' بنوسلمہ اور خزرج کے بعض افراد نے تو واپس جانے کا ارادہ کرلیا تھا جس سے پورا مشن ناکام ہوتا' لیکن بالآخر اللہ نے انھیں ثبات سے نوازا اور ان کے بارے میں یہ وحی نازل ہوئی: ''یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ ناکام ہونے پر آمادہ ہوگئے تھے حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا'' (اٰل عمرٰن ۳:۱۲۲)۔ اس کے باوجود وہ دشمنِ خدا خود اُلٹے پاؤں واپس پھر گیا۔

اس طرح کے لوگ کسی بھی لشکر اور کسی بھی تحریک کے لیے ان کے سخت ترین دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ ہزیمت کے داعی اور دشمن کے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ تحریکوں کو ایسے عناصر سے پاک کر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے بخوبی آگاہ ہے۔ ایسے عناصر بہت خطرناک و نقصان دہ ہوتے ہیں لیکن دعوت کی راہ کھوٹی نہیں کرسکتے' نہ اللہ کی نصرت آنے سے ہی روک سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ اپنے ہی ساتھیوں کو ملنے والی کامیابیوں پر صدمہ محسوس کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ وہ کامیاب و کامران ہوں' اس لیے کسی بھی فوج اور جماعت کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ ایسے عناصر سے نجات حاصل کرلے۔ سیرت صحابہؓ میں مذکور ہے کہ جنگِ یمامہ میں حصولِ نصرت میں کچھ تاخیر ہوئی تو ایک صحابیؓ نے اپنے قائد خالد بن ولیدؓ کو پکار کر کہا: خالد! لوگ ہلاک ہو رہے ہیں' انصار اور مہاجرین کو دیگر افراد سے علیحدہ کر کے ان کے ذریعے ہلہ بولو۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جائزہ لیا تو السابقون الاولون کی صفات رکھنے والے ۳ ہزار ساتھی ملے۔ انھوں نے اسی تعداد پر بھروسا کیا اور فتح یاب ہوئے۔ ''اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں'' (یوسف ۱۲:۲۱)۔ (ہفت روزہ الاخوان المسلمون' قاہرہ' فروری ۱۹۴۸ء)

57

کارکن کی قدر شناسی

باہمی اعتماد اور اجتماعی اقدار اور ایمان انسانی رویوں کو جنم دینے اور ان کی تشکیل میں بڑے معاون ہوتے ہیں۔ کارکن کی قدر شناسی اس کے جذبات اور کارکردگی کی صداقت کا اقرار مثبت انسانی رویے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن بسا اوقات دوسرے کے اچھے کام کی تعریف اور اس کا برملا اعتراف بذاتِ خود اچھے کام کے کرنے کی نسبت زیادہ مشکل محسوس ہوتا ہے۔ کارکن کی محنت کا اعتراف اپنی ساخت یا ادائیگی کے انداز سے بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ کارکن اس کے عوض کسی مالی منفعت کا طلب گار نہیں ہوتا بلکہ اپنے قائدین کی قبولیت اور پسندیدگی کا متمنی ہوتا ہے جو قیادت کی اعلیٰ ظرفی اور کھلے پن کی عکاسی کرتا ہے۔ کارکن کی صلاحیتوں کے اعتراف اور قدر شناسی کے لیے درج ذیل طریقے اپنائے جاسکتے ہیں:

۱- اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ: (اللہ تعالیٰ اضافہ فرمائے، مزید اضافہ فرمائے)۔

۲- مجھے فخر ہے کہ آپ میری ٹیم کے رکن ہیں۔

۳- ایک مشکل اور پیچیدہ کام ذمہ داری سے سرانجام دینے پر آپ کا شکریہ۔

۴- آپ کا ساتھ پوری ٹیم کے لیے حوصلہ افزا ہے۔

۵- مشکل لمحات میں آپ میرے لیے بڑے مفید اور معاون ثابت ہوئے ہیں۔

۶- بہت خوب، بہتری کا سفر جاری رکھیں۔

۷- آپ کی مسلسل اور ان تھک کوششوں کا شکریہ۔

۸- آپ کی مستقل مزاجی، ثابت قدمی پر آپ کا شکریہ۔

۹- آپ واقعی کام کے دھنی ہیں۔

ان الفاظ کی ادائیگی کے لیے آپ موقع محل کے لحاظ سے درج ذیل ذرائع استعمال کرسکتے ہیں:

- فون کے ذریعے تعریفی کلمات
- خصوصی طور پر اس کے گھر جا کر
- اپنے خاص لوگوں کی فہرست میں شامل کر کے
- کوئی ایسا پروجیکٹ یا ذمہ داری دے کر جو آپ کے اعتماد اور بھروسے کی علامت تصور کیا جائے
- ایسے مواقع فراہم کریں جس سے اس کی مخفی صلاحیتوں کو مزید اُبھرنے کا موقع ملے
- تنظیمی مناصب کے حوالے سے اہم ذمہ داری جو اس پر آپ کے اعتماد کی عکاسی کرتی ہو

سنابل العلم

مسائل کے حل کی شاہِ کلید

سیاست کا جائزہ لیں یا معیشت کا'
عام معاشرتی زندگی کا یا عائلی زندگی کا'
سرکاری محکموں کی کارکردگی دیکھیں یا جرائم کی صورت حال'
میڈیا پر جو کچھ سنایا' دکھایا اور پڑھایا جارہا ہے' اسے دیکھیں'
عدلیہ اور پولیس سے واسطہ پڑ جائے تو کیا گزرتی ہے'
—— ہر جگہ مسائل ہی مسائل ہیں۔

مسائل کا ادراک تو ہے لیکن کسی بھی سطح پر مسائل حل ہوتے نظر نہیں آتے' بلکہ بڑھتے ہی جارہے ہیں۔

ذرا گہرائی میں جاکر تجزیہ کیا جائے اور سبب تلاش کیا جائے تو ایک ہی سبب سب مسائل کی جڑ میں نظر آتا ہے: **اخلاقی زوال ، اخلاقی بحران!**

اسلام کے دو عقائد: توحید اور آخرت زندگی کی بنیاد بن جائیں' ایک اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین' دوسرے قیامت کے دن کی پیشی اور جواب دہی —— تو مسائل حل ہونا شروع ہو جائیں گے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ اجتماعی قیادت تقویٰ کی روش پر چلنے والی ہو اور ساتھ ہی ہر مسلمان' حقیقی مسلمان بننے کی فکر کرے۔ کوشش کرے کہ اس کی اپنی اور دوسروں کی زندگی کی تعمیر ان دو عقائد کی بنیاد پر ہو' تب ہی قرآن کی تعلیمات اور رسول اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کی صورت میں مثالی نظامِ زندگی قائم ہوگا۔

توحید اور آخرت کے تصور کو زندگی کی سرگرمیوں کی بنیاد بنانا مسلمان ملک کی سرکاری پالیسی ہونا چاہیے۔

(خیرخواہ)

مولانا مودودی کا تصورِ اجتہاد

رضوانہ اعجاز ○

سید مودودی کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ انھوں نے جمود اور تقلید کے ایک عمومی مزاج کو توڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ اگرچہ وہ بیسویں صدی میں یہ کام کرنے والے پہلے آدمی نہیں تھے' لیکن انھوں نے جو کام کیا وہ اُن معذرت خواہانہ (apologetic) نقطۂ نظر رکھنے والوں سے فی الحقیقت مختلف تھا جنھوں نے اجتہاد کے نام پر علومِ اسلامی کی بعض اساسات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا' مثلاً یہ کہنا کہ سنت اسلامی قانون سازی کا بنیادی ماخذ نہیں ہے اور صرف قرآن کی بنیاد پر اجتہاد کرنے پر زور ہونا چاہیے۔ ان کے برعکس سید مودودی نے معذرت خواہانہ سوچ رکھنے والوں اور تقلید پسند روایتی مذہبی طبقے کو راہ اعتدال دکھائی اور قرآن وسنت کی بنیاد پر اجتہاد کی طرف توجہ دلائی اور خود بھی مختلف معاملات میں اجتہاد کیا۔ بلامبالغہ اُمت مسلمہ کے مستقبل میں اجتہاد کو ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔

سید مودودی نے اجتہاد کے مسئلے پر جو فکری خدمات انجام دی ہیں' ان کو پانچ اجزا میں تقسیم کر کے غور کیا جاسکتا ہے:

- ○ انھوں نے اُمت کے عروج و زوال میں اجتہاد کا مقام متعین کیا۔
- ○ انھوں نے جمود پر ضرب لگائی اور اہلِ علم کو جھنجھوڑا کہ وہ اجتہاد کے میدان میں آگے بڑھیں۔

○ ڈیرہ غازی خان

- انھوں نے ایک طرف غلط اجتہاد کی روک تھام کے لیے تدابیر اختیار کیں' دوسری جانب اجتہاد کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والوں کی بھی مزاحمت کی۔
- انھوں نے اجتہاد کے دائرے کو بہت واضح طور پر متعین کیا اور اس میں وسعت اختیار کی۔
- انھوں نے اجتہاد کے اصول متعین کیے' جن کو مجتہدین کے لیے جدید مسائل حل کرنے میں بنیاد بننا چاہیے۔

سید مودودی نے یہ کام اپنی تحریروں میں بھی کیا اور ان مسائل کے حوالے سے بھی جن میں انھوں نے اجتہاد کیا اور اپنی رائے ظاہر کی۔ بعض ماہرین کی رائے میں ان کے اجتہادات کا بیش تر حصہ ترجمان القرآن کے جاری ہونے کے پہلے چار پانچ برسوں میں لکھا گیا۔ ان تحریروں میں ان کا موقف اتنا چونکا دینے والا تھا کہ علامہ محمد اقبال جن کی نظر میں فقہ اسلامی کی تشکیل جدید کا کام مسلمانوں کے ایجنڈے پر سرفہرست ہونا چاہیے تھا' اس کے لیے ان کی نظر سید مودودی کی طرف گئی اور ان کو پٹھان کوٹ آنے کی دعوت دی۔ قرائن وشواہد بتاتے ہیں کہ اس کام کے ساتھ ساتھ سید مودودی کی ترجیحات میں وسعت تھی۔ اس لیے کہ فقہ کسی خلا میں کام نہیں کرسکتا جب تک تہذیبی روح اور ایسے افراد نہ پیدا ہوں جو اس فقہ کو عملی جامہ بھی پہنائیں۔ اس لیے انھوں نے اپنی توجہ ایسی تحریک برپا کرنے پر مرکوز کردی جو اسلام کو غالب کرے۔ اس کوشش میں ان کے اجتہادات میں بھی پہلے برسوں کی نسبت کچھ کمی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن پہلے پانچ سال میں اصولی طور پر اجتہاد کے موضوع پر بھی اور حقوق الزوجین' دیہات میں نمازِ جمعہ' غیر عربی میں خطبۂ جمعہ' لاؤڈ اسپیکر کا استعمال وغیرہ مسائل پر ان کا نقطۂ نظر اجتہادی شعور کا مظہر ہے۔ یہ صرف مسائل نہیں تھے بلکہ ان مسائل پر اجتہاد کرتے ہوئے انھوں نے بہت سے اہم اصول بھی وضع کیے۔ یہ مباحث بہت دل چسپ ہیں اور آج بھی اگر کارِ اجتہاد درپیش ہو تو روشنی فراہم کرسکتے ہیں۔

جمود اور تقلیدی رویے پر زد

مسلمانوں کے عروج وزوال میں' سید مودودی اجتہاد کو جہاد کے پہلو بہ پہلو رکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر مایوس کن افتاد اس لیے پڑی کہ ایک جانب روح جہاد سرد پڑ گئی اور دوسری طرف

مسلمان اجتہاد سے دست بردار ہوگئے۔

جمود جس کا نقطۂ آغاز شاید اتنا واضح طور پر متعین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ چوتھی صدی سے شروع ہوا یا چھٹی صدی میں، یا پورا جمود کبھی طاری بھی ہوا یا نہیں، اور اجتہاد کا دروازہ کبھی کلی طور پر بند بھی ہوا یا نہیں ـــــ یہ وہ مباحث ہیں جن پر ہمارے دانش ور بحث کر رہے ہیں۔ تاہم، بحیثیت مجموعی اُمت مسلمہ پر ایک جمود طاری تھا، جس پر سید مودودی نے ضرب لگائی اور شدت کے ساتھ آواز اٹھائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے اہلِ علم کے ہاں چھٹی صدی کے بعد کیلنڈر آ کر رک گیا ہو اور وہ جدید مسائل کا سامنا نہ کر پا رہے ہوں۔ تاہم سید مودودی نے اس بات کو یوں واضح کیا کہ ہمارے اہلِ علم ابھی تک ماضی سے نکل کر حال کے دور میں داخل نہیں ہو سکے ہیں۔ موجودہ حالات میں نت نئی سائنٹی فک ایجادات اور ان کے نتیجے میں متعدد تہذیبی اور دینی مسائل پیدا ہو رہے ہیں، مگر بدقسمتی سے ہمارے اہلِ علم ان سے آشنا نہیں ہیں، جیسے وہ اس دور میں نہیں رہتے۔

جمود اور تقلیدی رویوں کے اسباب کا تعین کرتے ہوئے سید مودودی نے کہا کہ ترتیب یہ تھی:

''سب سے پہلے اللہ کی کتاب، اس کے بعد رسولؐ اللہ اور اس کے بعد اہلِ علم کا اجتہاد تھا۔ بالآخر ترتیب اُلٹ گئی اور عملاً پہلے اہلِ علم کا اجتہاد، پھر رسولؐ اللہ اور اس کے بعد کتاب اللہ کو مقام دیا جانے لگا۔ اس ترتیب کے اُلٹنے سے بے شمار فروعیات پیدا ہوئیں اور انھوں نے اصل اسلام کی شکل اختیار کرلی۔ پھر لوگ اس پر قانع ہوگئے کہ جب کوئی مسئلہ پیدا ہو تو اس کے لیے ان کتابوں کی طرف رجوع کریں جو کتاب اللہ کی طرح ابدی نہیں ہوسکتی تھیں اور ان افراد کی فکر ہی کو منتہا بنالیا گیا جن کی فکر اللہ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت اور بصیرت کے برعکس تمام زمانوں پر حاوی نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ جمود کا بنیادی سبب تھا''۔ (روزنامہ جسارت، کراچی، نومبر ۱۹۹۵ء، ص ۴۸-۴۹)

جمود کے اسباب

اس جمودی کیفیت کے اسباب کا تذکرہ وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ''بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے، کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجاے

محض عہد گذشتہ کی ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے اور اسلام کی تعلیم دینے والی درس گاہیں آثارِ قدیمہ کے محافظ خانوں میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجنبی لوگ اس چیز کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ تاریخی ذوق کی بنا پر اظہارِ قدر شناسی تو کرسکتے ہیں' مگر یہ توقع ان سے نہیں کی جاسکتی کہ وہ حال کی تدبیر اور مستقبل کی تعمیر کے لیے اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کریں گے"۔ (تحریک آزادی ہند اور مسلمان' دوم' ص ۱۴۹)

استعمار کے سیاسی' تہذیبی اور علمی غلبے کے زیر اثر جب مسلمانوں کے اندر فکری و نظریاتی انحطاط میں مزید تیزی آئی تو ایمان کا سرمایہ بھی تشکیک و ریب کی نذر ہونے لگا۔

علامہ اقبال' مسلمانوں کے زوال و انحطاط کے متعلق ضربِ کلیم میں فرماتے ہیں:

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو — کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی
مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود — خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی
ہُوا حریف مہ و آفتاب تُو جس سے — رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

یہاں تک کہ فرنگی حکمرانوں کی تقلید نے مرگِ تخیل کے مرحلے تک پہنچا دیا:

کس درجہ یہاں عام ہوئی مرگِ تخیل — ہندی بھی فرنگی کا مقلّد' عجمی بھی!
مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہزاد — کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سُرورِ ازلی بھی

سید مودودی کی تشخیص بھی یہی ہے کہ: "مسلمانوں پر مغربی تلوار اور قلم دونوں کا حملہ ایک ساتھ ہوا۔ جو دماغ مغربی طاقتوں کے سیاسی غلبے سے مرعوب اور دہشت زدہ ہوچکے تھے' ان کے لیے مشکل ہوگیا کہ مغرب کے فلسفہ و سائنس اور ان کی پروردہ تہذیب کے رعب و داب سے محفوظ رہتے...... مزید برآں ایک مرعوب ذہنیت کے ساتھ مغربی استادوں کے سامنے زانوے ادب تہ کیا گیا تھا' اس لیے مسلمانوں کی نئی نسلوں نے شدت کے ساتھ مغربی افکار اور سائنٹی فک نظریات کا اثر قبول کیا۔ ان کی ذہنیتیں مغربی سانچے میں ڈھلتی چلی گئیں۔ ان کے دلوں میں مغربی تہذیب کا نفوذ بڑھتا چلا گیا۔ ان میں وہ ناقدانہ نظر پیدا ہی نہیں ہوئی جس سے وہ صحیح اور غلط کو پرکھتے اور صرف صحیح کو اختیار کرتے۔ اور ان میں یہ صلاحیت ہی پیدا نہ ہوسکی کہ آزادی اور استقلال کے ساتھ غور و فکر کرتے اور اپنے ذاتی اجتہاد سے کوئی راے قائم کرتے' اسی کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں

کہ اسلامی تہذیب جن بنیادوں پر قائم ہے وہ متزلزل ہوگئی ہیں۔ ذہنیتوں کا وہ سانچا ہی بگڑ گیا ہے جس سے اسلامی طریق پر سوچا اور سمجھا جاسکتا تھا۔ مغربی طریق پر سوچنے اور مغربی تہذیب کے اصولوں پر اعتقاد رکھنے والے دماغ کی ساخت ہی ایسی ہے کہ اس میں اسلام کے اصول ٹھیک نہیں بیٹھ سکتے، اور جب اصول ہی اس میں نہیں سماسکتے تو فروع میں طرح طرح کے شبہات اور نت نئے شکوک پیدا ہونا ہرگز قابلِ تعجب نہیں''۔ (تنقیحات، ص ۱۹-۲۰)

اسی طرح سید مودودی نے اپنے ایک مضمون بعنوان ''ملت کے تعمیرنو کا صحیح طریقہ'' میں اُمت کے جمود اور افتراق و انتشار کو نہایت بلیغ اور جامع انداز میں بیان کیا ہے: ''جب تک علماے اسلام اس ماخذ ومنبع [قرآن وسنت] سے اکتسابِ علم کرتے رہے اور صحیح غوروفکر سے کام لے کر اپنے اجتہاد سے علمی و عملی مسائل حل کرتے رہے، اس وقت تک اسلام زمانے کے ساتھ حرکت کرتا رہا۔ مگر جب قرآن میں غوروفکر کرنا چھوڑ دیا گیا، جب احادیث کی تحقیق اور چھان بین بند ہوگئی، جب آنکھیں بند کر کے پچھلے محدثین اور مفسرین کی تقلید کی جانے لگی، جب پچھلے فقہا اور متکلمین کے اجتہادات کو اٹل اور دائمی قانون بنالیا گیا، جب کتاب وسنت سے براہِ راست اکتسابِ علم ترک کر دیا گیا، اور جب کتاب وسنت کے اصول چھوڑ کر بزرگوں کے نکالے ہوئے فروع ہی اصل بنالیے گئے تو اسلام کی ترقی دفعتاً رک گئی۔ اس کا قدم آگے بڑھنے کے بجاے پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کے حامل اور وارث علم وعمل کے نئے میدانوں میں دنیا کی رہنمائی کرنے کے بجاے پرانے مسائل اور علوم کی شرح وتفسیر میں منہمک ہوگئے۔ جزئیات اور فروع میں جھگڑنے لگے، نئے نئے مذاہب نکالنے اور دورازکار مباحث میں فرقہ بندی کرنے لگے''۔ (ایضاً، ص ۱۵۸)

ذہنی انحطاط اور مادی تنزل

سید مودودی مسلم نوجوانوں کی سوئی ہوئی خودی اور ان کے جمود زدہ احساس کو ٹھوکر لگا کر جگانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو اپنے تشخص کا شعور دیتے ہیں اور ان کو اصل فساد سے آگاہ کرتے ہیں جس سے مسلم سوسائٹی اور مسلم فکر دوچار ہے۔

علامہ اقبال اور سید مودودی کے افکار ونظریات میں اس باب میں مماثلت پائی جاتی ہے۔

دونوں نے مسلمانوں کے حالات و کیفیات کا انتہائی حقیقت پسندانہ تاریخی تجزیہ کیا ہے اور اس مرض کی نشان دہی کی ہے جو مسلم تہذیب کے سقوط کا سبب بنا۔ دونوں اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ قوموں کے عروج زوال میں بلاکسی استثنا کے فطرت کا یہ اٹل قانون کارفرما رہا ہے کہ جب کوئی قوم ندرت فکر و عمل، تحقیق و اکتشاف سے جیسی صفات سے محروم ہو جاتی ہے تو اسے میدان عمل اپنے سے بہتر قوم یا گروہ کے لیے خالی کر کے مغلوبیت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ اس لیے کہ خالق کائنات کو جہانِ آب و گل پر زندہ لاشوں کی حکمرانی پسند نہیں۔ علامہ اقبال ارمغانِ حجاز میں فرماتے ہیں:

آزاد کی رگ سخت ہے مانندِ رگِ سنگ — محکوم کی رگ نرم ہے مانندِ رگِ تاک
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید — آزاد کا دل زندہ و پُرسوز و طرب ناک
آزاد کی دولت دلِ روشن، نفس گرم — محکوم کا سرمایہ فقط دیدہ نم ناک
محکوم ہے بیگانۂ اخلاص و مروت — ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش — وہ بندۂ افلاک ہے، یہ خواجۂ افلاک ہے

اس موضوع کو سید مودودی اس طرح بیان کرتے ہیں: ''فطری قانون یہی ہے کہ جو قوم عقل و فکر سے کام لیتی اور تحقیق و اکتشاف کی راہ میں پیش قدمی کرتی ہے، اس کو ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ مادی ترقی بھی نصیب ہوتی ہے، اور جو قوم تفکر و تدبر کے میدان میں مسابقت کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ وہ ذہنی انحطاط کے ساتھ مادی تنزل میں بھی مبتلا ہو جاتی ہے۔ پھر چونکہ غلبہ نتیجہ ہے قوت کا اور مغلوبیت نتیجہ ہے کمزوری کا، اس لیے ذہنی و مادی حیثیت سے درماندہ اور ضعیف قومیں اپنی درماندگی اور ضعف میں جس قدر ترقی کرتی جاتی ہیں، اسی قدر غلامی اور محکومیت کے لیے مستعد ہوتی چلی جاتی ہیں اور طاقت ور (ذہنی، مادی دونوں حیثیتوں سے طاقت ور) قومیں، ان کے دماغ اور ان کے جسم دونوں پر حکمران ہو جاتی ہیں''۔ (تنقیحات، ص ۹-۱۰)

سید مودودی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اُمت مسلمہ کی شکست و ریخت اور زوال جو نظر آ رہا ہے وہ فی الحقیقت کمزور سیرت اور علم و عمل سے عاری قوم کی تہذیب کا، ایک دوسری صاحب علم، فعال اور باعمل قوم کے درمیان مقابلے کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے ایک معالج کی طرح اُمت کے ان امراض کا علاج شروع کیا اور جب حالت سدھرتی ہوئی نظر آئی تو مقوی ادویات سے ایمان و اسلام

کو صحت مند بنانے کی کوشش میں لگ گئے۔ وہ جماعت اسلامی کا مقصد' تاریخ اور لائحہ عمل میں لکھتے ہیں: ''کوئی تہذیبی وتمدنی حرکت جمود کی چٹانوں سے نہیں روکی جاسکتی۔ اس کو اگر روک سکتی ہے تو ایک مقابل کی تہذیبی وتمدنی حرکت ہی روک سکتی ہے''۔(ص ۹۰-۹۱)

فکری ارتقا اور اجتہاد

اُمت مسلمہ کی اس بے بسی اور جمود کے خاتمے کے لیے سید مودودی نے اجتہاد پر زور دینے کے ساتھ اس بات کا اہتمام کیا اور تاکید کی کہ اجتہاد بے لگام نہ ہو اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں انجام نہ پائے جو اس کے اہل نہ ہوں۔ وہ اس کا بھی اہتمام کرتے ہیں کہ سلف نے جو صدیوں سے فقہ کی ترتیب کا حتمی کارنامہ انجام دیا ہے اس کو نذر آتش نہ کر دیا جائے' یا پوری عمارت کو نہ ڈھا دیا جائے' بلکہ فقہ میں جو چیز زمانے کا ساتھ دے سکتی ہو اسے برقرار رکھا جائے اور جو چیز ساتھ نہ دے سکتی ہو' قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی متبادل چیزیں سوچی جائیں۔ یہ سارے مباحث ان کے مضامین میں بھی موجود ہیں اور ان مباحث میں بھی جو انھوں نے ان مسائل کے حل کے ضمن میں کیے' جن کے بارے میں انھوں نے اجتہاد سے کام لیا۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ حالات و واقعات میں تغیر وتنوع ناگزیر ہے۔ اس لیے اجتہاد و قیاس سے کام لینا بھی ناگزیر ہے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے دسویں صدی ہجری میں اور مشہور حنفی عالم مولانا عبدالعلی نے تیرھویں صدی ہجری میں لکھا ہے کہ: اجتہاد کے ممنوع اور مسدود ہونے پر کوئی کمزور قسم کی شرعی دلیل بھی موجود نہیں ہے(ماہنامہ فاران' کراچی' مارچ ۱۹۹۵ء' ص ۲۹)۔ جو احکام ائمہ سلف اور فقہا کے درمیان اختلافی ہوں تو ان میں حالات وضروریات کی بنا پر کسی ایک رائے کو ترجیح دینے کے لیے بھی اجتہاد کیا جاسکتا ہے اور جو احکام عرف و رواج پر مبنی ہوں ان میں بھی عرف و رواج کے تغیر کی وجہ سے جدید اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قرآن وسنت کے قطعی اور صریح احکام اور نصوص کی اجماعی تعبیر کے خلاف اجتہاد کرنا دین میں تحریف وترمیم کے مترادف ہے۔

اجتہاد کے لیے ضروری اوصاف

سید مودودی تفہیمات جلد سوم میں اجتہاد کا مقصد ومنہاج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اجتہاد کا مقصد چونکہ خدائی قانون کو انسانی قانون سے بدلنا نہیں بلکہ اس کو ٹھیک سمجھنا اور اس کی رہنمائی میں اسلام کے قانونی نظام کو زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ متحرک کرنا ہے، اس لیے کوئی صحت مندانہ اجتہاد اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ ہمارے قانون سازوں میں حسب ذیل اوصاف موجود ہوں:

۱- شریعت الٰہی (قرآن وسنت) پر ایمان، اس کے برحق ہونے کا یقین، اس کے اتباع کا مخلصانہ ارادہ، اس سے آزاد ہونے کی خواہش کا معدوم ہونا اور مقاصد، اصول اور اقدار (values) کسی دوسرے ماخذ سے لینے کے بجاے صرف خدا کی شریعت سے لینا۔

۲- عربی زبان اور اس کے قواعد اور ادب سے اچھی واقفیت، کیونکہ قرآن اسی زبان میں نازل ہوا ہے اور سنت کو معلوم کرنے کے ذرائع بھی اسی زبان میں ہیں۔

۳- قرآن اور سنت کا علم جس سے آدمی نہ صرف جزوی احکام اور ان کے مواقع سے واقف ہو، بلکہ شریعت کے کلیات اور اس کے مقاصد کو بھی اچھی طرح سمجھ لے۔

۴- پچھلے مجتہدین اُمت کے کام سے واقفیت، جس کی ضرورت صرف اجتہاد کی تربیت ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ قانونی ارتقا کے تسلسل (continuity) کے لیے بھی ہے۔

۵- عملی زندگی کے حالات و مسائل سے واقفیت، کیونکہ انھی پر شریعت کے احکام اور اصول وقواعد کو منطبق کرنا مطلوب ہے۔

۶- اسلامی معیار اخلاق کے لحاظ سے عمدہ سیرت و کردار، کیونکہ اس کے بغیر کسی کے اجتہاد پر لوگوں کا اعتماد نہیں ہوسکتا۔

اجتہاد اور اس کی بنا پر ہونے والی قانون سازی کے مقبول ہونے کا انحصار جس طرح اس بات پر ہے کہ اجتہاد کرنے والوں میں اس کی اہلیت ہو، اسی طرح اس امر پر بھی ہے کہ یہ اجتہاد صحیح طریقے سے کیا جائے۔ مجتہد خواہ تعبیر احکام کر رہا ہو یا قیاس و استنباط، بہرحال اسے اپنے استدلال کی بنیاد قرآن اور سنت ہی پر رکھنی چاہیے...... قرآن وسنت سے جو استدلال کیا جائے وہ لازماً ان طریقوں پر ہونا چاہیے جو اہلِ علم میں مسلّم ہیں''۔ (تفہیمات، سوم، ص ۱۱-۱۳)

اس پس منظر میں ایک صاحب نے سید مودودی سے دریافت کیا تھا کہ کیا اجتہاد کے

دروازے کو آج کھولنے کی شدید ضرورت نہیں ہے۔ وہ اجتہادی اصول جو آج سے ہزار سال قبل بنائے گئے تھے ان کو آج کے مسائل پر بھی بڑی سختی سے نافذ کیا جائے گا؟ اس کے جواب میں انھوں نے لکھا: ''اجتہاد کا دروازہ کھولنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی احتیاط کا متقاضی بھی ہے۔ اجتہاد کرنا ان لوگوں کا کام نہیں ہے جو ترجموں کی مدد سے قرآن پڑھتے ہوں۔ حدیث کے پورے ذخیرے سے نہ صرف یہ کہ ناواقف ہوں' بلکہ اس کو دفتر بے معنی سمجھ کر نظرانداز کردیتے ہوں۔ پچھلی ۱۳ صدیوں میں فقہاے اسلام نے اسلامی قانون پر جتنا کام کیا ہے اس سے سرسری واقفیت بھی نہ رکھتے ہوں اور اس کو بھی فضول سمجھ کر پھینک دیں پھر اس پر مزید یہ کہ مغربی نظریات واقدار کو لے کر ان کی روشنی میں قرآن کی تاویلیں کرنا شروع کردیں۔ اس طرح کے لوگ اگر اجتہاد کریں گے تو اسلام کو مسخ کر کے رکھ دیں گے''۔ (ایضاً، ص ۳۰)

اصولِ اجتہاد

سید مودودی اجتہاد کے اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱- پہلا اصول یہ [ہے] کہ آدمی اس زبان کو اور اس کے قواعد اور محاوروں اور ادبی نزاکتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ (ایضاً، ص ۳۱)

۲- دوسرا اصول یہ ہے کہ آدمی نے قرآن مجید کا اور ان حالات کا جن میں قرآن مجید نازل ہوا ہے' گہرا اور وسیع مطالعہ کیا ہو۔

۳- تیسرا اصول یہ ہے کہ آدمی اس عمل درآمد سے اچھی طرح واقف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدینؓ کے دور میں اسلامی قوانین پر ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن خلا میں سفر کرتا ہوا براہِ راست ہمارے پاس نہیں پہنچ گیا ہے۔ اس کو خدا کی طرف سے ایک نبی لایا تھا۔ اس نبی نے اس کی بنیاد پر افراد تیار کیے تھے' معاشرہ بنایا تھا' ایک ریاست قائم کی تھی' ہزارہا آدمیوں کو اس کی تعلیم دی تھی اور اس کے مطابق کام کرنے کی تربیت دی تھی۔ ان ساری چیزوں کو آخر کیسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ ان کا جو ریکارڈ موجود ہے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے قرآن کے الفاظ سے احکام نکال لینا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ (ایضاً' ص ۳۱)

۴- چوتھا اصول یہ ہے کہ آدمی اسلامی قانون کی پچھلی تاریخ سے واقف ہو۔ وہ یہ جانے کہ...... پچھلی ۱۳ صدیوں میں صدی بہ صدی اس پر کیا کام ہوا ہے اور مختلف زمانوں میں وقت کے حالات پر قرآن اور سنت کے احکام کو منطبق کرنے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کیے گئے ہیں اور تفصیلاً کیا احکام مرتب کیے جاتے رہے ہیں...... ایک دانش مند قوم اپنے اسلاف کے کیے ہوئے کام کو برباد نہیں کرتی بلکہ جو کچھ انھوں نے کیا ہے اس کو لے کر آگے وہ کام کرتی ہے، جو انھوں نے نہیں کیا، اور اس طرح مسلسل ترقی جاری رہتی ہے۔

۵- پانچواں اصول یہ ہے کہ آدمی ایمان داری کے ساتھ اسلامی اقدار اور طرزِ فکر اور خدا اور رسولؐ کے احکام کی صحت کا معتقد ہو اور رہنمائی کے لیے اسلام سے باہر نہ دیکھے بلکہ اسلام کے اندر ہی رہنمائی حاصل کرے۔ یہ شرط ایسی ہے جو دنیا کا ہر قانون اپنے اندر اجتہاد کرنے کے لیے لازمی طور پر لگائے گا۔ (ایضاً، ص ۳۱-۳۲)

اجتہاد اور مصلحت و حکمت

سید مودودی نے یہ بات واضح طور پر کہی کہ جو بھی اجتہاد کیا جائے وہ 'مصلحت' اور 'حکمت' کے مطابق ہونا چاہیے۔ شریعت کا ہر حکم کسی مصلحت پر مبنی ہے اور اگر حالات اور زمانے میں تغیر ہو تو احکام کی نوعیت بھی بدلے گی۔ اس کے بعد انھوں نے اجتہاد کا دائرہ ان الفاظ میں متعین کیا:

''اجتہاد کے لیے الفاظ اور اسپرٹ دونوں ہی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، لیکن اسپرٹ کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے۔ اگر اسپرٹ سے مراد وہ چیز ہے جو بحیثیت مجموعی قرآن کی تعلیمات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل، خلفاے راشدینؓ کے عمل اور بحیثیت مجموعی فقہاے اُمت کے فہم سے ظاہر ہوتی ہے، تو بلاشبہہ یہ اسپرٹ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے اور اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر الفاظ قرآن اور سنت سے لیے جائیں اور اسپرٹ کہیں اور سے لائی جائے تو یہ سخت قابلِ اعتراض چیز ہے اور ایسی اسپرٹ کو ملحوظ رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم خدا اور رسول کا نام لے کر ان سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں''۔ (تفہیمات، سوم، ص ۳۴)

سید مودودی نے اجتہاد کے دائرہ کار میں وسعت و تنوع اختیار کیا۔ اجتہاد میں وہ معاملات

تو آئیں گے ہی جن کے بارے میں کوئی حکم نہ پایا جاتا ہو، اور وہ معاملات بھی آئیں گے جن میں فقہا نے استنباط کیا ہے اور اب حالات بدل گئے ہیں۔ لیکن نصوص کے دائرے میں بھی اجتہاد کا ایک دائرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی نص کا منشا کیا ہے؟ جسے پہلے لوگوں نے متعین کیا اور آج بھی کیا جاسکتا ہے، اور جو قرآن وسنت کی رو سے بالکل واضح احکام تھے، ان کی تعبیر میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف رہا۔ بعض الفاظ تک محدود رہے اور بعض نے ان کا مفہوم لیا۔ جیسا کہ حضورؐ کی زندگی میں بھی ایسا واقعہ موجود ہے۔

حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم غزوۂ احزاب میں فارغ ہوکر یہودیوں کے قلعوں کی طرف جاؤ تو بیچ میں نماز نہ پڑھو، تو بعض لوگوں نے اسے لفظی معنی میں لیا اور نماز عصر پڑھے بغیر قلعوں تک پہنچے۔ بعض نے کہا کہ حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ جلدی سے پہنچو، ہم نماز پڑھ سکتے ہیں، نماز پڑھ کے جائیں گے۔ دونوں نے ایک نص کی تعبیر کی اور حضورؐ کے سامنے پیش کی۔ آپؐ نے دونوں میں سے کسی کو غلط نہیں کہا (بخاری، کتاب المغازی)۔ اس کے معنی یہ تھے کہ تعبیر کے اندر بھی گنجایش موجود ہے کہ حکم کا منشا کیا ہے اور اس منشا کا مفہوم کیا ہے؟ اس کے بعد پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ یہ حکم کن حالات اور کن واقعات کے لیے آیا تھا۔

سید مودودی اجتہاد کے اصول کے ساتھ ساتھ حکمت و مصلحت پر بھی زور دیتے ہیں اور جہاں شریعت کے احکام کی مصلحت اور حکمت قائم نہ رہتی ہو وہاں اجتہاد کی بھی ضرورت ہے، تبدیلی اور توجہ کی بھی۔ آپ نے اپنی کتاب حقوق الزوجین میں بہت سے ایسے مسائل پر قلم اٹھایا ہے، جن پر فقہا کی آرا بہت عرصے سے موجود تھیں، اور ایسا بھی نہیں کہ انھوں نے بہت انقلابی یا ہنگامہ خیز قسم کی تبدیلیاں ان میں کی ہوں، لیکن اس سے ان کا مزاج معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق خدا کی منفعت اور مصلحت اور اس کا فائدہ دین میں کتنا اہم ہے۔

سید مودودی نے عمومی ضرورتوں اور تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کے حقوق کی بازیافت کے لیے سعی کی۔ اس کی فکری و عملی تربیت کے لیے علیحدہ علیحدہ اعلیٰ تعلیمی اداروں کے قیام پر زور دیا اور کہا کہ حصول علم میں اس کا حق ہے۔ حدود میں رہتے ہوئے تمام صحت مند مشاغل کی نہ صرف اجازت دی بلکہ وضاحت فرمائی کہ معاشرے کی تعلیم و ترقی میں مرد سے زیادہ عورت ذمہ دار

ہے۔ بایں طور کہ قدرت نے جو اس کے فرائض مقرر فرمائے ہیں ان کو پورے انہماک اور توجہ سے ادا کرے۔ ان کے نزدیک دوسرا اہم پہلو وہ فقہی قوانین ہیں جن کے ذریعے عورت کی بے بسی و مجبوری میں اضافہ کیا گیا ہے۔ سید مودودی نے دلائل و براہین کے ساتھ ان بعض فقہی آرا کو رد کر کے عورت کی حیثیت کو مستحکم کیا ہے اور قرآن و سنت نے اسے جو حقوق دیے ہیں ان کا تحفظ کیا ہے۔ اس پہلو پر ان کی تصنیف حقوق الزوجین ان کی بصیرت کی روشن دلیل ہے۔

(قادری، عروج احمد، اقامت دین فرض ہے، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، ۱۹۷۰ء، ص ۶)

شورائی اجتہاد

اجتہاد کا ایک اہم پہلو شورائی اجتہاد ہے۔ سید مودودی اس بارے میں فرماتے ہیں:

''انفرادی اجتہاد سے جو آرا دی جائیں گی اُن کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک فتویٰ یا ایک انفرادی رائے کی ہوگی۔ اس کو قانون کی طاقت حاصل نہیں ہوسکتی۔ البتہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ مختلف لوگ جب شرعی مسائل پر بحث کریں گے اور اپنے اپنے دلائل دیں گے تو مسائل زیادہ اچھی طرح منقح ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے ساتھ اگر شورائی اجتہاد بھی ہو اور اہلِ علم کی کوئی کونسل ایسی بنائی جائے جو باہمی بحث و مباحثے کے بعد بالاتفاق یا اکثریت سے اجتہادی فیصلے کرے تو یہ چیز بہت مفید ہوسکتی ہے۔ ایسی کونسل ایک ریاست میں بھی بنائی جاسکتی ہے اور اس کو ایک دستوری حیثیت بھی دی جاسکتی ہے تاکہ اس کے فیصلے قانونی طاقت حاصل کرلیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسی ایک کونسل کی حیثیت محض ایک علمی کونسل کی ہو اور وہ علمی حیثیت سے اپنے فیصلے شائع کرے اور ان فیصلوں سے رہنمائی حاصل کر کے قانون ساز ادارے صحیح قانون بنائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تمام دنیاے اسلام کی ایک مرکزی کونسل ایسی بنائی جائے کہ جو ساری دنیا کے مسلمانوں کی ضروریات کو سامنے رکھ کر اجتہادات کرے۔ اِس علمی کونسل کو قائم کرنے میں اگر مسلمان کامیاب ہوجائیں تو یہ بڑی رحمت ثابت ہوگی۔ اس سے تمام مسلمانوں کو رہنمائی حاصل ہوگی اور کسی وقت چل کر یہ بھی ممکن ہوگا کہ ساری مسلمان حکومتیں مل کر ایک ایسی کونسل کو دستوری حیثیت بھی دے دیں تاکہ اِس کے فیصلے تمام مسلمان حکومتوں میں قانون کی طاقت حاصل کرلیں''۔ (مولانا مودودی کے انٹرویو، ص ۶۰-۶۱)

بچوں کی تربیت، بنیادی امور

بدرالاسلام

بچوں کی تعلیم کا ایک اہم دائرہ وہ تربیت ہے جو انھیں اپنے خاندان سے حاصل ہوتی ہے۔ اس تربیت کا اہم ترین پہلو بچوں (اولاد) کے ساتھ والدین، بالخصوص ماں کے طرزِ عمل سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں چند اصولی نکات درج ذیل ہیں:

○ **بنیادی دینی تعلیم**: ابتدائی عمر ہی سے بچوں کو دین کی بنیادی تعلیمات سے واقف کرایا جائے۔ قرآن کی تعلیم کا شعوری انتظام اور حلال اور حرام کے احکامات سے واقفیت فراہم کی جائے۔ سات سال کی عمر سے نماز کا، اور روزہ رکھنے کے قابل عمر کو پہنچنے پر روزے کا عادی بنایا جائے۔ بچوں کو بالکل ابتدا سے اللہ سے تقویٰ اور اس کے سامنے تمام کاموں (اعمال) کے لیے جواب دہ ہونے کا تصور پیدا کرنا، اور ان میں یہ احساس جگانا ضروری ہے کہ اللہ ہر وقت ان کی نگرانی کر رہا ہے۔

○ **اخلاقی تربیت**: بچوں کو ابتدائی عمر سے ہی اعلیٰ اخلاق کا عادی بنانے کی کوشش کی جائے، کیونکہ بچپن کی عادتیں بڑے ہونے پر پختہ ہوتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ بچپن ہی سے انھیں سچائی، امانت داری، بہادری، احسان، بزرگوں کی عزت، پڑوسیوں سے بہتر سلوک، دوستوں کے حقوق کی پاس داری اور مستحق لوگوں کی مدد جیسے اعلیٰ اخلاقی اوصاف کا حامل بنایا جائے۔ پھر انھیں بُرے اخلاق مثلاً جھوٹ، چوری، گالی گلوچ اور بے راہ روی سے سختی سے بچایا جائے اوائل عمر سے ہی محنت و مشقت کا عادی بنایا جائے اور عیش کوشی و آرام پسندی سے دُور رکھا جائے۔

○ **جسمانی تربیت:** والدین کی طرف سے بچوں کی جسمانی نشوونما' غذا اور آرام کا خیال رکھا جائے اور انھیں ورزش کا عادی بنایا جائے۔ جسمانی بیماریوں اور جائز ضروریات کو پورا کرنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔

چار بنیادی باتیں جن سے والدین کے لیے پرہیز کرنا لازم ہے:

○ **تحقیر آمیز سلوک:** بچوں کی اصلاح و تربیت میں عجلت اور جلد بازی کا مظاہرہ کرنے کے بجاے صبر و استقامت کے ساتھ یہ کام کیا جائے۔ بچوں کی اہانت یا تحقیر کرنے سے گریز کیا جائے۔

○ **سزا میں بے اعتدالی:** بالکل سزا نہ دینا اور بہت زیادہ سزا دینا دونوں باتیں غلط ہیں۔ بچوں کے ساتھ محبت و شفقت اور نرمی کا برتاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور معقول حد تک سرزنش کا بھی ایک مقام ہے۔ ان دونوں رویوں میں اعتدال لازم ہے۔

○ **بے جا لاڈ پیار:** بچوں کی ہر خواہش کو پورا کرنا' غیر ضروری لاڈ پیار انھیں ضدی اور خودسر بناتا ہے۔ اس میں اعتدال ضروری ہے۔

○ **بچوں کو ایک دوسرے پر ترجیح دینا:** ایک ہی گھر میں دو بچوں یا لڑکوں اور لڑکیوں میں سے ایک کو دوسرے پر فوقیت دینا غیر اسلامی رویہ ہے' جس سے بچے بہت سے نفسیاتی عوارض میں مبتلا ہوکر انتہا پسندی اور انتقام پسندی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ایسے مریضانہ رویے سے اجتناب لازم ہے۔

ان اصولی نکات کے علاوہ چند عملی اقدامات جن پر والدین آسانی سے عمل کر سکتے ہیں:

۱- اپنے خاندان میں' بالخصوص بچوں کے ساتھ ممکنہ حد تک زیادہ وقت گزارا جائے۔ اپنی معاشی جدوجہد و دیگر مصروفیات کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ لازماً کچھ وقت اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ گزارا جاسکے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت ماں اور باپ دونوں کی ذمہ داری ہے' تربیت کا تمام تر بوجھ ماں پر ڈال دینا ایک نامناسب اور غیر معقول طریقہ ہے۔ مدرسے میں بچوں کی مصروفیات' دوستوں کی صحبت وغیرہ سے واقفیت کے لیے ضروری ہے کہ والدین ان کے ساتھ روزانہ کچھ نہ کچھ وقت گزاریں۔

۲- بچوں کو سخت کوشی اور محنت کا عادی بنانے کے لیے انھیں ایک درمیانے معیار کی زندگی کا عادی بنایا جائے تاکہ وہ ایک عام انسان جیسی پُرمشقت زندگی کا تجربہ حاصل کرسکیں۔

۳- اوّل تو جیب خرچ دینے سے بچا جائے اور بچوں کی ایسی ضروریات کو خود پورا کیا جائے' اور اگر بچوں کو جیب خرچ دیا جائے تو پھر اسے ڈسپلن کا پابند بنایا جائے۔ بچوں سے اس رقم کا حساب بھی پوچھا جائے' تاکہ ان میں بچپن سے ہی کفایت شعاری' بچت اور غیرضروری اخراجات سے پرہیز کی عادت پروان چڑھے اور جواب دہی کا احساس پیدا ہو۔ والدین کی طرف سے اپنے بچوں کو آرام پہنچانے کی خواہش بجا ہے۔ مگر ابتدا سے بغیر محنت کے آرام طلب بنانا' ان کے مستقبل کے ساتھ سنگین مذاق ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ان کے کپڑوں اور جوتوں پر اخراجات میں اعتدال رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ تعلیمی ادارے میں مختلف معاشی وسماجی پس منظر رکھنے والے طلبہ وطالبات ہوتے ہیں' اس طرح ان میں غیرمطلوب مقابلہ آرائی کو روکا جاسکتا ہے۔

۴- ابتدا ہی سے بچوں سے خودانحصاری (self reliance) یعنی اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کرایا جائے۔ اگر معاشی وسائل میں وسعت بھی حاصل ہو تب بھی بچوں کو اپنے کام کرنے یعنی جوتے صاف کرنے' کمرے کو ترتیب دینے کی عادت ڈالی جائے۔

۵- والدین کا یہ بھی فرض ہے کہ بچوں کو اپنے بزرگوں کی خدمت کی طرف متوجہ کرتے رہیں۔

۶- بچوں کی مصروفیات اور ان کے دوستوں کو جاننا ضروری ہے۔ جرائم کا ارتکاب اور نشہ آور چیزوں کا استعمال غلط صحبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لیے بچے کے دوستوں پر گہری نظر رکھنا والدین کی لازمی ذمہ داری ہے۔

۷- بچوں کے سامنے مدرسے یا اساتذہ یا دوسرے عزیزوں کی برائی نہ کی جائے۔ اگر جائز شکایت ہو تو متعلقہ ذمہ داران سے گفتگو کی جائے۔ مگر بچوں کے سامنے کبھی ان کے اساتذہ کی تحقیر نہیں ہونی چاہیے۔ والدین اپنے بچوں کے اساتذہ کی عزت کریں گے تو بچے بھی اس کا اچھا اثر قبول کریں گے۔

۸- اپنے بچوں کی غلطیوں اور جرائم کی صفائی نہیں پیش کرنی چاہیے۔ بچوں کو غلطی کا احساس دلانا اور حسب موقع تادیب انھیں اصلاح کا موقع فراہم کرے گی اور وہ عدل' انصاف اور

اعتدال کے تقاضوں سے واقف ہوں گے۔

۹- ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے حوالے سے متوازن رویہ اپنانا ضروری ہے۔ اس کے لیے والدین کو خود اپنے آپ کو نظم کا پابند بنانا ہوگا' تعلیمی اور معلوماتی پروگرام سے استفادہ اور' اچھے تفریحی پروگراموں پر بچوں سے تبادلہ خیال کے ذریعے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنا چاہیے۔ ٹی وی اور کمپیوٹر کو ایسی جگہ رکھنا چاہیے' جہاں سب آتے جاتے ہوں تاکہ لغو اور غیر اخلاقی پروگرام دیکھنے کا امکان نہ رہے۔

۱۰- ٹی وی اور کمپیوٹر کتابوں کا نعم البدل نہیں بن سکتے۔ اچھی کتب اور رسائل' بچوں کی شخصیت سازی میں غیر معمولی کردار ادا کرتے ہیں' اپنے بچوں میں مطالعے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ والدین انھیں اچھی کتابیں اور رسائل فراہم کریں اور ان کے لیے ذاتی لائبریری بنائیں' ان کے نصاب کے مطالعے اور دیگر کتب کے مطالعے پر نظر رکھیں۔ خود بچوں کو ترغیب دیں کہ وہ اپنے جیب خرچ سے رقم پس انداز کر کے کتابیں خریدیں۔

۱۱- بچوں میں احساس ذمہ داری پیدا کیا جائے' تاکہ ملک وملّت اور انسانیت کو ان کی ذات سے فائدہ ہو۔ موجودہ دور میں ہر شخص اپنے حقوق کے بارے میں بہت حساس ہے' مگر اپنے فرائض کی ادایگی کے بارے میں انجان بن جاتا ہے' اس رویے کو تعلیمی عمل کے دوران ہی تبدیل کرنا ہوگا۔

۱۲- بچوں میں عوامی املاک کی حفاظت کا احساس پیدا کرنا چاہیے۔ ملک میں پارک' عوامی ٹرانسپورٹ' راستوں اور سرکاری عمارتوں وغیرہ کا حال سب کے سامنے ہے۔ ہر کوئی اس کے نقصان پر تلا ہوا ہے۔ (پارک میں کھیلنے کا سامان چند دنوں میں ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے' بسوں کی سیٹیں پھاڑ دی جاتی ہیں اور اسٹریٹ لائٹس بچوں کی نشانہ بازی کی مشق کا ہدف قرار پاتی ہیں)۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ معاشرے میں قومی جایداد کا تصور بیدار نہیں ہے۔ اسلام ان املاک کے بارے میں امانت دار ہونے اور اللہ کے سامنے جواب دہی کا تصور دے کر اس کی حفاظت کراتا ہے۔

۱۳- بچوں میں سماجی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا احساس پیدا کرنا چاہیے۔ اسکول کی فیس ہو' میونسپل ٹیکس ہو یا انکم ٹیکس' اس ضمن میں والدین اپنے عمل سے بچوں کے لیے نمونہ پیش کریں اور

انھیں عوامی واجبات کو بروقت ادا کرنے کی تلقین کی جائے۔

۱۴- گھر میں ایک بہتر ماحول قائم کیا جائے۔ ماں باپ کو چاہیے کہ وہ بالخصوص بچوں کے سامنے غصّے اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز کریں۔ خاندان کے بڑوں میں باہم میل جول، ایک دوسرے کی قدر و منزلت اور احترام بچوں پر خوش گوار اثر ڈالتا ہے۔

۱۵- قول و فعل میں تضاد سے پرہیز لازم ہے، بچے اپنے بڑوں کے اعمال سے غیرمحسوس طریقے سے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ ماں باپ اور دیگر بڑوں کا طرزِعمل بچوں کی شخصیت کو بناتا ہے۔ والدین کو سچائی، امانت داری وغیرہ کے حوالے سے معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اور بظاہر نقصان ہی ہوتا نظر آرہا ہو، اپنے عمل کو درست رکھنا چاہیے۔

۱۶- والدین عموماً اپنے بچوں سے اُونچی توقعات وابستہ کرتے ہیں۔ مگر جب وہ اس معیار پر پورے نہیں اُترتے تو والدین مایوس ہوجاتے ہیں اور بچوں سے ناراض ہوکر جھنجھلاہٹ کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طرح والدین اور بچے دونوں احساسِ کمتری اور چڑچڑے پن کا شکار ہوجاتے ہیں۔ یہ نامناسب رویہ ہے۔ بچوں کو ملنے والی کامیابی پر انھیں حوصلہ دینا اور مناسب انعام سے نوازنا چاہیے۔ بچوں سے توقعات وابستہ کرتے وقت ان کی صلاحیت، دل چسپی اور کمزوریوں کو بھی دھیان میں رکھنا چاہیے۔ والدین کو اپنی خواہشات بچوں پر تھوپنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۱۷- ناکامی کو کامیابی کا زینہ بنانے کی تربیت دینی چاہیے۔ زندگی میں ہر فرد کو کسی نہ کسی بحران سے مقابلہ درپیش رہتا ہے اس لیے نامطلوب حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے بچوں کی ذہن سازی ضروری ہے۔ انھیں مسائل سے فرار کے بجاے ان سے نبردآزما ہونے کی تربیت دینی چاہیے۔ عزم محکم، عمل پیہم اور سخت محنت کامیابی کی شرائط ہیں۔ مشکلات کی صورت میں حسب موقع بچوں سے مشاورت بھی ان کی تربیت اور ان میں خوداعتمادی پیدا کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

۱۸- بچوں کو اپنی زندگی کے مقصد کا شعور دیا جائے۔ مقصد زندگی کا واضح تصور انھیں دنیا میں اپنا مقام متعین کرنے میں مدد دے گا۔ مستقبل کے لیے بلند عزائم اور ان عزائم کی تکمیل کے لیے بچوں میں شوق، محنت اور جستجو کے جذبات پیدا کرنے میں والدین کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔

۱۹- بچوں کی تعلیم و تربیت میں والدین تدریج سے کام لیں، ان کی اصلاح سے مایوس نہ ہوں۔

۲۰- بچوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے واقف کرانا اور اسوۂ رسولؐ کی پیروی کو جزو ایمان بنانا، اسی طرح سلف صالحین کی زندگیاں مشعل راہ کے طور پر بچوں کے سامنے لانا ضروری ہے۔

۲۱- گھر میں مطالعے کا وقت متعین کر کے، والدین اپنی نگرانی میں تعلیمی ادارے کا کام کرواتے ہوئے بچوں کی ترقی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔

۲۲- وقت کی تنظیم اور قدر والدین خود بھی کریں اور بچوں کو ابتدا سے ہی وقت کے صحیح استعمال کی عادت ڈالیں۔ وقت کا ضیاع ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ اس قیمتی دولت کا بہترین استعمال کامیابی کی کلید ہے۔

۲۳- تعلیم و تربیت پر خرچ مستقبل کی سرمایہ کاری ہے۔ موجودہ دور کے نہایت مہنگے تعلیمی اخراجات کے پیش نظر مناسب ہوگا کہ ہر خاندان اپنی ماہانہ آمدنی کا ایک مقررہ حصہ اپنے بچوں کی تعلیم اور تربیت پر خرچ کرے۔ اگر بچے چھوٹی جماعتوں میں ہوں تو اس بچی ہوئی رقم کو پس انداز کر کے آیندہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

نومسلم کی سرگزشت

راوی: حسن علی / تحریر: امجد عباسی

ایمان کتنی بیش قیمت متاع ہے' اس کے حصول کے لیے صبر واستقامت کے کیسے کیسے کوہ گراں عبور کرنا ہوتے ہیں' اس کا اندازہ ایک نسلی مسلمان یا مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوجانے والے مسلمان کو نہیں ہوسکتا۔ اس کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوا جب ہمیں قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ ہمارا تعلق ایک اعلیٰ ہندو خاندان سے تھا۔ ہمارا قبولِ اسلام کا یہ سفر جہاں اسلام کی حقانیت کا ایک ثبوت ہے وہاں بہت سے لوگوں کے لیے ایمان افروز اور ایمان پرور بھی۔ اسی جذبے کے تحت میں اپنے قبولِ اسلام کی سرگزشت بیان کر رہا ہوں۔

○ **خاندانی پس منظر :** ہندومت کے مطابق پانڈو اور کورو دو اعلیٰ خاندان شمار ہوتے ہیں اور تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ ہمارا تعلق پانڈو خاندان سے ہے اور ہم بھیم سین کی اولاد میں سے ہیں جو بہت قدآور' جسیم اور طاقت ور تھا۔ ہمارے بزرگ ظروف سازی اور مندروں اور گردواروں کے سونے اور تانبے کے گنبد اور کلس بناتے تھے۔ آج بھی ہندستان کے بہت سے مندروں اور گردواروں میں ہمارے بزرگوں کے بنائے ہوئے گنبد اور کلس لگے ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی ہماری انفرادیت اور مذہبی اہمیت تھی۔ یہ مختصراً ہمارا خاندانی پس منظر ہے۔

○ **قبولِ اسلام کا محرک :** ہماری والدہ کا نام گوراں دیوی تھا۔ وہ ہندی پڑھنا جانتی تھیں۔ والدہ بتایا کرتی تھیں کہ ہمارے نانا مختلف قصبوں میں برتن فروخت اور مرمت کرتے تھے۔ اس زمانے میں اُجرت نقدی کے بجائے اجناس' گندم' چاول' آٹا وغیرہ کی صورت میں دی

جاتی تھی۔ ایک دفعہ کسی کے گھر سے انھیں ہرن کی کھال کا ایک ٹکڑا ملا' جس پر ہندی تحریر تھی۔ ہمارے نانا کا خیال تھا کہ یہ کوئی مقدس تحریر ہے' چنانچہ انھوں نے وہ آٹھ آنے میں خرید لی۔ والدہ صاحبہ نے جب ہرن کی کھال کا یہ ٹکڑا اور تحریر دیکھی تو اپنے والد سے کہنے لگیں کہ یہ کرشن جی مہاراج کے فرمودات ہیں' جن میں پانڈوؤں کو نصیحت کی گئی ہے: کہ اے پانڈوو! جو ایشور کے ساتھ ساجھا (شرک) کرے وہ رتک بُوٹی کوڑھا (یعنی لاعلاج کوڑھ) ہوتا ہے۔ ایک چشمے (منبع) کے پانی سے کھیتوں کو سینچا جائے تو ایک ہرا ہو جاتا ہے اور دوسرا سوکھا رہ جاتا ہے۔ اگر گناہوں کی جڑ کاٹو گے تو تمھاری روح تازہ ہو جائے گی۔ سمیہا (سمیع و بصیر) کے غلام یا دوست بن کر اور تابع بن کر رہو۔

والدہ صاحبہ نے اسے ایک قیمتی متاع کی طرح سنبھال کر رکھ لیا اور اس کو پڑھتی بھی رہتی تھیں۔ پھر ہماری والدہ کی شادی ہوگئی۔ والد صاحب اَن پڑھ تھے۔ والدہ صاحبہ شادی کے وقت وہ مقدس کلام بھی اپنے ساتھ ہی لے آئیں' اور اس کو پڑھتی رہتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے والد صاحب کو بھی ان تعلیمات سے آگاہ کرتی رہتی تھیں۔ اس دوران ان کے دو بچے بھی ہوگئے۔

○ **قبولِ اسلام**: ایک روز والدہ صاحبہ نے والد صاحب سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہمیں ان کلمات کے بارے میں مولوی صاحب سے بھی رابطہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ والد صاحب والدہ کو امرتسر کی جامع مسجد کے خطیب کے پاس لے گئے۔ والدہ گھونگٹ نکالے ہوئے تھیں۔ انھوں نے مقدس کلام خطیب صاحب کو دکھایا اور پھر اس عبارت کا مطلب بھی بیان کیا۔ اس پر خطیب صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو الہامی کلام لگتا ہے۔ یہ توحید پر مبنی ہے اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بھی ایسی ہی تھیں۔ اس پر والدہ نے کہا کہ جب یہ حقیقت ہے اور اسلام کے اتنا قریب ہے تو پھر ہمیں مسلمان ہونا چاہیے۔ لہٰذا ہم اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔ یوں ہماری والدہ صاحبہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور پھر ہمارا گھرانا مشرف بہ اسلام ہوا۔

ہمارے خاندانی پس منظر اور پانڈوؤں سے تعلق کی بنا پر خطیب صاحب نے کہا کہ ہمیں ہندوؤں کی طرف سے شدید ردعمل کا اندیشہ ہے' لہٰذا مشورے کے بعد آپ کو قبول اسلام کے اعلان کے لیے کہیں گے۔ چنانچہ کئی مرتبہ خطبات جمعہ کے بعد اعلان کیا گیا کہ ایک اعلیٰ ہندو خاندان نے قبول اسلام کا فیصلہ کیا ہے' جو عنقریب مسجد میں قبولِ اسلام کا اعلان کرے گا۔ اس طرح پورے

امرتسر میں یہ بات مشہور ہوگئی۔ مسلمانوں میں ایک نیا جوش اور ولولہ پایا جاتا تھا۔ اس فضا میں ہندوؤں کے لیے کوئی اقدام کرنا آسان نہ تھا۔ چنانچہ ایک روز جمعے کی نماز کے بعد والدہ صاحبہ نے کرشن جی مہاراج کا کلام پڑھ کر سنایا، مفہوم بیان کیا اور پھر اعلان کیا کہ چونکہ کرشن جی کی تعلیمات توحید اور ایک خدا کی بندگی کی دعوت دیتی ہیں جو کہ اسلام کی تعلیمات ہیں، لہٰذا ہم اسلام قبول کرتے ہیں۔ اس وقت ہمارا پورا گھرانا مسجد میں موجود تھا۔ ہمارے نام تبدیل کر کے رکھے گئے۔ والدہ صاحبہ کا نام گوراں دیوی سے غلام فاطمہ اور والد صاحب کا رتن چند سے غلام حسین رکھا گیا۔ بڑے بھائی کا نام رام لال سے سیدعلی اور دوسرے بھائی کا نام روپ لال سے محمدعلی رکھا گیا۔ اس وقت تک میری پیدایش نہیں ہوئی تھی۔

اس روز بڑی تعداد میں امرتسر کے مسلمان جامع مسجد میں جمع تھے۔ ہماری والدہ کے قبولِ اسلام کے اعلان کے ساتھ ہی مسجد نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھی۔ مسلمان جذبۂ ایمانی سے سرشار تھے۔ اگلے روز اخبارات ویربھارت، ملاپ، پرتاپ اور ٹریبون میں اس حوالے سے خبریں بھی لگیں۔ ایک ہنگامہ سا برپا ہوگیا۔ ہماری جان کو خطرے کے پیشِ نظر مسلمانوں نے ڈپٹی کمشنر کو تحفظ کے لیے درخواست دے دی کہ نومسلم خاندان کی حفاظت کی جائے۔ چنانچہ ایک سال تک گارڈ ہمارے گھر پر تعینات رہی۔

○ **طویل اور جان گسل آزمایش کا دور:** قبولِ اسلام کے ساتھ ہی ہماری آزمایش کے ایک طویل اور جان لیوا دور کا آغاز بھی ہوگیا۔ اندازہ ہوا کہ مسلمان ہونا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ واقعی شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ والدہ صاحبہ نے قرآن پڑھنا سیکھا اور باقی گھر والوں کو بھی سکھایا۔ ہمارے قبولِ اسلام کو برادری نے قبول نہ کیا۔ ہمارا مقاطعہ کر دیا گیا، کاروبار ختم ہوگیا اور جایداد پر قبضہ کرلیا۔ ہم گھر سے بے گھر ہوگئے۔ عدالت میں مقدمہ کیا مگر نتیجہ بے سود نکلا۔ اس طرح ہم تمام اثاثوں سے محروم ہوگئے حتیٰ کہ نوبت فاقہ کشی تک پہنچ گئی۔ حالات سے تنگ آکر اور گھر سے بے دخلی کے بعد ہم نے امرتسر میں سیف الدین سیف (مشہور شاعر) کی گلی میں ایک کوٹھڑی کرایے پر لی جس کا کرایہ تین روپے تھا۔ نہ کوئی کاروبار رہا اور نہ کوئی جمع پونجی ہی تھی۔ یہ آزمایش کا طویل دور تقریباً ۱۲ سال پر محیط رہا۔

میری عمر اس وقت ۱۳، ۱۴ سال تھی۔ میں نے والدہ سے کہا کہ یہ حالت اب دیکھی نہیں جاتی۔ میں کچھ کام کرنا چاہتا ہوں۔ والدہ صاحبہ کے پاس سونے کا ایک چھلا تھا۔ وہ انھوں نے مجھے دیا کہ اسے بیچ کر کوئی کام کرنے کی کوشش کرو۔ وہ چھلا بیچ کر میں نے کپڑے کا تھان خریدا اور گلی محلے میں بیچنے کے لیے نکل جاتا، مگر کسی نہ کسی جگہ کوئی نہ کوئی جاننے والا مل جاتا۔ برادری کے لوگ مذاق بھی اُڑاتے۔ کئی دن کے بعد چار آنے ملے اور کچھ حوصلہ ہوا۔ مگر آئے دن لوگوں کے طعنوں، مذاق اور تمسخر سے تنگ آ کر یہ کام چھوڑ دیا۔

والدہ صاحبہ اچار اور مربا بنانا جانتی تھیں۔ انھوں نے یہ تیار کر کے فروخت کرنا شروع کیا۔ ہمارے پیش نظر سفید پوشی بھی تھی اور خاندان کا بھرم بھی۔ کچھ دن تو یہ کام چلا مگر پھر کچھ واقف کار خواتین کے علم میں یہ بات آ گئی، تو والدہ صاحبہ نے اس کام کو بھی ترک کر دیا۔ میں نے سوچا کہ چلو کہیں دُور جا کر کچھ مزدوری کر لوں۔ چنانچہ ایک گودام پر بوریاں اٹھانے کی مزدوری شروع کر دی۔ بوریاں اٹھاتے ہوئے کچھ نہ کچھ دال چاول وغیرہ زمین پر گر جاتے تھے۔ سب مزدور انھیں اکٹھا کر کے اپنے گھروں کو لے جاتے۔ حالات کی تنگی اور فاقہ کشی کے پیش نظر ایک روز میں نے بھی زمین پر گرے ہوئے کچھ چاول جمع کیے اور گھر لے جا کر والدہ صاحبہ سے کہا کہ انھیں پکا لیں۔ ان کے دریافت کرنے پر جب بتایا کہ اس طرح لایا ہوں تو انھوں نے پکانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ان پر ہمارا کوئی حق نہیں، لہٰذا انھیں واپس کر کے آؤ۔ فاقہ کشی میں بھی ہماری ماں نے دیانت داری کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کتنی عظیم تھی ہماری ماں!

مزدوری کبھی ملتی تھی اور کبھی نہیں۔ ہمارے محلے میں ایک بوڑھا آدمی ریڑھی ڈھوتا تھا۔ کبھی سامان زیادہ ہوتا تو اس سے ریڑھی کھینچی نہ جاتی۔ مجھے بھی مزدوری کی تلاش تھی۔ چنانچہ میں نے بابا جی کے ساتھ مزدوری شروع کر دی۔ دو آنے مزدوری ملتی تھی۔ کچھ نہ کچھ گزارا ہو جاتا۔

ایک بار دو دن سے فاقہ تھا۔ ماں نے گھر کے برتن دیے کہ انھیں بیچ کر کچھ لے آؤ۔ چنانچہ برتن بیچ کر شہر سے دو ڈھائی کلومیٹر کے فاصلے پر چھاؤنی کے نزدیک سے گائے کی دو اوجھڑیاں خرید کر لایا۔ دو دن کا فاقہ تھا مگر بھوک مٹانے کے لیے ۳۰، ۳۲ کلو وزنی اوجھڑیاں بوری میں ڈال کر کاندھے پر لاد کر گھر لایا۔ پاؤں میں جوتی تک نہ تھی۔ راستے میں کانٹے بھی تھے جس سے پاؤں

لہولہان ہوگئے۔ ماں نے اوجھڑی پکائی اور پھر ہم نے رات گئے کھائی۔ ہمیں یہ کھانا دو دن کے فاقے کے بعد میسر آیا تھا۔

ایک روز میں نے اپنی والدہ سے عرض کیا: اس طرح تو گزر بسر نہیں ہو پا رہی۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں کسی دوسرے شہر جا کر قسمت آزماؤں۔ خدا کرے کہ کوئی بہتری کی صورت پیدا ہوجائے۔ ماں نے اجازت دے دی تو میں نے ممبئی اپنے ہندو چچا دیوان چند کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔ ہمارے قبولِ اسلام کے باوجود وہ ہم سے ہمدردی رکھتا تھا۔

ماں نے گڑ والی روٹی دے کر رخصت کیا۔ چونکہ پیسے نہ تھے لہٰذا بغیر ٹکٹ ٹرین پر سوار ہوگیا۔ پاؤں میں جوتی تک نہ تھی۔ تین دن کا سفر تھا۔ راستے میں ٹکٹ چیکر نے پکڑ لیا۔ میں نے انگریزی بولی تو پڑھا لکھا سمجھ کر کچھ دھیما پڑ گیا۔ شرمندگی کے مارے میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اسے ترس آگیا اور ممبئی پہنچنے میں میری مدد کی۔ دورانِ سفر ایک سِکھ سے ملاقات ہوئی۔ اتفاق سے وہ میرے ہندو چچا کے واقف کار تھے۔ اس طرح چچا تک پہنچنے میں سہولت ہوگئی۔ ممبئی پہنچا تو اس حال میں تھا کہ میلے کچیلے کپڑے تھے اور پاؤں میں جوتی تک نہ تھی۔ بہرحال چچا سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے خیریت دریافت کی اور میرے آنے کا مقصد پوچھا۔ میں نے کہا کہ مزدوری کے ارادے سے آیا ہوں۔

چچا کے پاس فوری طور پر تو کوئی کام نہ تھا۔ تاہم' اس سِکھ نے لوہے کی چادروں کی کٹائی کی مزدوری کا کام دے دیا۔ کھلے آسمان تلے سوتا اور دن بھر مزدوری کرتا تھا۔ ۱۰ آنے مزدوری طے پائی۔ کچھ عرصے کے بعد پانچ روپے والدہ کو منی آرڈر کیے اور لکھا کہ کام مل گیا ہے۔ پھر میں وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ پیسے گھر بھجوانے لگا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کس طرح ممبئی پہنچنے میں اس نے مدد کی' اسباب فراہم کیے اور روزگار کی صورت نکالی۔

چچا سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ میٹرک کرلو تو تمھیں آرٹ کالج آف پونا میں داخل کروا دوں گا' جہاں سے تمھاری اچھی تربیت ہوجائے گی۔ چنانچہ شام کی کلاس میں داخلہ لینے کے لیے اسکول کی تلاش ہوئی۔ اتفاق سے ایک اسکول میں داخلہ مل گیا۔ صبح مزدوری کرتا اور شام کو تعلیم حاصل کرتا۔ ایک روز استاد نے میرے ہاتھوں میں پڑے ہوئے چھالے دیکھ کر پوچھا کہ کیا

وجہ ہے؟ جب میں نے بتایا کہ دن بھر مزدوری کرتا ہوں تاکہ فیس اور دیگر اخراجات پورے کرسکوں تو میری محنت مزدوری سے وہ متاثر ہوئے۔ انھوں نے ایک سیٹھ صاحب کے نام خط لکھا اور کہا کہ ان سے ملو۔ تمھاری فیس وغیرہ کی کوئی صورت نکل آئے گی۔

سیٹھ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کے بحری جہاز چلتے تھے اور سامان آتا جاتا تھا۔ خط پڑھنے کے بعد انھوں نے مجھے حساب کتاب کے کام پر لگا لیا اور ۳۰ روپے ماہانہ تنخواہ مقرر کردی۔ اس طرح رہایش' کھانے پینے اور تعلیم کا بندوبست ہوگیا۔ میں نے اپنے استاد کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے بھی مجھے محنت سے پڑھایا۔ چنانچہ میں نے سیکنڈ ڈویژن میں میٹرک پاس کرلیا۔ رزلٹ آنے کے بعد چچا مجھے آرٹ کالج پونا میں داخلے کے لیے لے گئے۔ آرٹ اور دست کاری کے حوالے سے یہ معروف کالج تھا۔ بڑی مشکل سے داخلہ ملتا تھا۔ مگر ہمارے خاندانی پس منظر آبائی پیشے اور چچا کی کوششوں سے بالآخر مجھے داخلہ مل گیا۔ یہ دو سال کا کورس تھا۔ اس دوران کالج میں ڈیکوریشن پیس مرمت کے لیے آتے یا مختلف ٹرافیاں وغیرہ بنانے اور مرمت کے لیے آتی تھیں جو میں بناتا اور مرمت کرتا تھا۔ یوں کالج کی طرف سے الگ پیسے مل جاتے تھے۔

کالج سے فراغت کے بعد مجھے ملازمت کی تلاش ہوئی۔ اس موقع پر بھی چچا دیوان چند نے تعاون کیا۔ ممبئی کی مشہور فرم پارکر برادرز تھی جہاں سونے اور چاندی کا کام بڑے پیمانے پر ہوتا تھا اور پارکر نامی انگریز اس کا مالک تھا۔ چچا نے پارکر سے ملاقات کی۔ پارکر نے کہا کہ کارکردگی اپنی جگہ لیکن ہم ٹیسٹ کے بعد فیصلہ کریں گے۔ برطانیہ سے ایک ڈربی ٹرافی مرمت کے لیے آئی ہوئی تھی۔ ہندستان کے مختلف کاریگر مرمت کرچکے تھے مگر نقص دُور نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ پارکر نے مجھے وہ مرمت کے لیے دی۔ میں نے اسے اس مہارت سے ٹانکا لگایا' وہ اس پر بہت متاثر ہوا اور اس زمانے میں ۳۰۰ روپے میری تنخواہ مقرر کردی جو غیر معمولی رقم تھی۔

اب اللہ کے فضل سے ہمیں معاشی آسودگی میسر آگئی اور ہمارے حالات بہتر ہونے لگے۔ والد صاحب نے بھی امرتسر میں ایک دکان لے لی اور برتن مرمت کا کام شروع کردیا۔ یوں ہماری بھوک' افلاس اور فاقہ کشی کی طویل آزمایش بالآخر ختم ہوئی۔ ایمان قبول کرنے کی پاداش میں ۱۲ برس کی یہ طویل اور جاں گسل آزمایش اور کڑا امتحان جس صبر و استقامت سے ہم نے کاٹا' یہ خدا

کا خصوصی فضل و کرم ہی کا نتیجہ تھا ورنہ یہ ہمارے بس کی بات نہ تھی!

○ **باقاعدہ دین سیکھنے کی کوشش**: پارکر کمپنی میں مجھے اچھی تنخواہ اور بہت سی سہولیات میسر آ گئیں اور ترقی کے روشن امکانات تھے۔ مگر اب ایک اور طرح کی آزمایش سے دوچار ہونا پڑا۔ ہمارا ایک عزیز تُلسی رام تھا جس کا برتن بنانے کا ایک بڑا کارخانہ تھا اور وہ خاصا مال دار بھی تھا۔ اتفاق سے وہ چچا کے پاس آیا کہ ہم بالٹی بناتے ہیں مگر اس کے کنارے پھٹ جاتے ہیں۔ بہت سے کاریگروں کو دکھایا ہے لیکن مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ تم کوئی کاریگر بتاؤ۔ چچا نے کہا کہ رتن چند کا بیٹا حسن بڑا اچھا کاریگر ہے۔ تُلسی رام نے کہا کہ گوراں دیوی کا بیٹا جو مسلمان ہوگیا تھا؟ چچا نے کہا: ہاں وہی۔ پھر چچا نے میری ملاقات کروائی۔ وہ مل کر بڑا خوش ہوا اور اپنا مسئلہ بیان کیا۔ میں نے ہامی بھرلی۔ بالٹیوں کی مرمت شروع کی اور ایک ایسا مضبوط ٹانکا لگایا جو ہمارا خاندانی فن تھا جس کے بعد بالٹی کے کنارے نہ پھٹے۔ اس کا مسئلہ حل ہوگیا تو اس نے مجھے جزوقتی ملازمت دی اور اچھی تنخواہ مقرر کی۔ پارکر کمپنی اور تُلسی رام کے ہاں کام کرنے سے میری آمدنی غیرمعمولی ہوگئی جس کا اس وقت عام آدمی تصور نہیں کرسکتا تھا۔

اب تُلسی رام کو لالچ بھی ہوا۔ اس نے اپنی پوتی شکنتلہ سے کہا کہ تم اس سے دوستی لگاؤ اور اسے شدھی کرلو (دوبارہ ہندو بنالو)۔ یہ بہت اچھا کاریگر ہے، مال دار بھی ہے۔ شکنتلہ ایم اے کی طالبہ تھی۔ اس نے میرے ہاں آنا جانا شروع کردیا۔ ایک روز باتوں ہی باتوں میں اس نے کہا کہ اسلام قبول کرنے کا تمھارے گھرانے کا فیصلہ محض جذباتی عمل لگتا ہے۔ کیا تم اسلام کے بارے میں کچھ جانتے بھی ہو؟ اس نے کئی سوالات بھی اٹھائے جس پر مجھے احساس ہوا کہ مجھے اپنے دین کو باقاعدہ سیکھنا چاہیے نہ کہ محض رسمی تعلیمات پر اکتفا کرلوں۔ اس طرح میں نے دین اسلام کا مطالعہ کرنے اور سیکھنے کا عزم کرلیا۔

اب میں نے دین سیکھنے کے لیے مختلف لوگوں سے رابطہ کیا۔ ممبئی کی جامع مسجد کے خطیب سے ملا اور اپنی قبولِ اسلام کی روداد سنائی اور طلب علم کے بارے میں رہنمائی چاہی۔ انھوں نے مجھے مشورہ دیا: ہندستان میں ایک ہی مستند ادارہ ہے اور وہ ہے دارالعلوم دیوبند، آپ کو وہاں جانا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے ایک خط لکھ کر میرے حوالے کردیا اور مجھے کہا کہ آپ جمعیت العلما کے

مرکزی دفتر دہلی چلے جائیں وہ آپ کی صحیح رہنمائی کریں گے۔

○ **دارالعلوم دیوبند کا سفر** : یہ ۱۹۴۸ء کی بات ہے۔ میں جمیعت العلما کے مرکزی دفتر دہلی پہنچا۔ اس وقت مولانا محمود اس کے دفتر میں وقت دیتے تھے۔ میں نے انھیں خط دیا' پڑھتے گئے اور میری طرف دیکھتے بھی رہے۔ خط میں مختصراً ہمارے قبولِ اسلام کا تذکرہ اور دین سیکھنے کی خواہش کا ذکر تھا۔ چنانچہ انھوں نے مجھے کہا کہ آپ کو دیوبند جانا ہوگا۔ انھوں نے مولانا حسین احمد مدنی کے نام جو اس وقت مہتمم مدرسہ تھے ایک خط لکھ کر مجھے دیا اور کہا کہ ان کے پاس چلے جائیں۔ وہ آپ کی رہنمائی فرمائیں گے۔ چنانچہ میں نے فیکٹری سے چھٹی لے لی اور دیوبند کے لیے روانہ ہوا۔

○ **دارالعلوم دیوبند میں قیام**: دیوبند مدرسے کی عمارت سادہ مگر خوب صورت اور اسلامی ثقافت کی عکاسی کرتی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے مولانا محمود صاحب کا خط دیا۔ انھوں نے اسے پڑھا جس میں مختصراً ہمارے حالات کا تذکرہ تھا اور یہ بھی کہ دین کے عمومی فہم کے لیے انھیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اپنی مصروفیات کے باوجود انھوں نے میری گفتگو اور قبولِ اسلام کی روداد سنی۔

مولانا حسین احمد مدنی نے ڈیڑھ گھنٹہ تک میری بات سنی۔ بہت حوصلہ افزائی اور ستایش کی کہ آپ کے خاندان نے قبولِ اسلام کے لیے کس استقامت اور صبر کا مظاہرہ کیا۔ پھر کہنے لگے کہ آپ کو مدرسے کی باقاعدہ سند کی ضرورت تو نہیں ہے۔ آپ کو عمومی فہم دین اور اسلام سے متعلق مختلف سوالات اور اعتراضات کے جوابات درکار ہیں۔ لہٰذا آپ ہمارے مدرسے کی عمومی کلاسیں بھی پڑھیں لیکن میں ایک استاد بھی مقرر کر رہا ہوں جو آپ کی ضرورت کے مطابق آپ کو تعلیم دیں گے۔ چنانچہ ایک بہاری استاد کو میری تعلیم کے لیے مقرر کر دیا گیا۔ انھوں نے مجھے دین کی بنیادی تعلیمات سکھائیں۔ قرآن پڑھایا اور نماز درست طریق پر ادا کرنا سکھائی' نیز سوال جواب کی صورت میں تبادلۂ خیال کرتے اور اسلام پر اعتراضات کے جواب دیتے۔ اس طرح مجھے دین باقاعدہ سیکھنے کا موقع ملا۔ توحید کا تصور اجاگر ہوا اور قرآن وحدیث کا فہم ملا۔

دیوبند میں میرا قیام تقریباً پانچ ماہ تک رہا۔ وہاں دین کے لیے شغف' دین سیکھنے سکھانے کے لیے ایک لگن اور تڑپ اور سادگی نے مجھے بہت متاثر کیا۔ یہ ایمان پرور منظر بھی دیکھنے میں آیا

کہ کس طرح ہندستان کے مسلمان اہلِ دیوبند کا احترام کرتے اور ان کے مقاصدِ جلیلہ کے پیش نظر طرح طرح سے خدمت کرتے ہیں۔ ان دنوں ۴۰۰ طلبہ مدرسے میں زیرتعلیم تھے۔ ان کا کھانا اور رہایش مفت تھا۔ لوگ بڑی تعداد میں غلہ اور روزمرہ استعمال کی اشیا محض خدا کی رضا اور خوشنودی کے لیے بھجواتے تھے۔ مجھے بھی کچھ خدمت کا موقع ملا۔ طلبہ کے لیے کھانا پکانے کی بڑی بڑی دیگچیاں تھیں۔ ان کے پیندے خراب ہوگئے۔ انھیں مرمت کے لیے شہر لے جانے کی ضرورت تھی جس میں خاصی دقت تھی اور وقت بھی لگتا تھا۔ میں نے کہا کہ میں یہ کام کرسکتا ہوں۔ مجھے بھی کچھ خدمت کا موقع دیں۔ میرے لیے تو یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔ یہ تو ہمارا آبائی پیشہ تھا۔ چنانچہ میں نے تانبے کی چادریں خریدیں' وہیں بھٹی بنائی اور ان دیگچیوں کے نئے پیندے لگا دیے۔ الغرض دیوبند کے قیام نے جہاں میرے فہم دین میں اضافہ کیا وہاں اسلامی معاشرت' اخوت ومحبت اور سادگی کے مظاہر نے ایمان کو بڑی تقویت پہنچائی۔

○ **ممبئی واپسی:** ممبئی واپس آنے کے بعد دوبارہ ملازمت پر جانے لگا۔ شگفتہ سے بھی رابطہ ہوا۔ اس نے بہت سے سوالات اور اعتراضات اٹھائے مگر قرآن وحدیث کے دلائل اور ہندی عقائد اور ہندی مذہبی کتب وید' شاستر' بھگت گیتا اور کرشن مہاراج کے فرمودات سے جب اس پر توحید کی حقانیت اجاگر ہوئی تو وہ متاثر ہوگئی۔ کہاں وہ مجھے ہندو بنانے چلی تھی اور کہاں خدا نے اس کی ہدایت کا سامان کردیا۔ اس کے اہلِ خانہ کو خدشہ ہوا کہ کہیں یہ مسلمان نہ ہوجائے اور اپنا دھرم نہ چھوڑ بیٹھے۔ انھوں نے اسے بہت سمجھایا اور جب دیکھا کہ وہ کسی طرح ماننے کے لیے تیار نہیں تو پنڈتوں سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ انھوں نے اس کو ایسی دوا لگا دی جس سے وہ کوڑھی ہوگئی۔

میں نے اس کا طرح طرح سے علاج کروایا لیکن وہ جاں بر نہ ہوسکی۔ آخری وقت اس نے مسلمان ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے مولوی صاحب کو بلوایا۔ انھوں نے اسے کلمہ پڑھایا اور وہ مسلمان ہوگئی۔ اس نے کہا کہ میری ایک آخری خواہش بھی پوری کردو۔ میں تم سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ میرا اس سے نکاح بھی ہوگیا۔ اس کا نام شائلہ حسن رکھا گیا اور پھر چند گھنٹے بعد وہ انتقال کرگئی اور خدا کے فضل سے وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے خدا کے حضور حاضر ہوئی۔

○ **تحریکِ پاکستان میں حصہ:** ان دنوں تحریکِ پاکستان زوروں پر تھی۔ چنانچہ میں مسلم لیگ امرتسر میں شامل ہوگیا۔ خضر حکومت کے خلاف لاہور میں اسمبلی ہال کے باہر ایک مظاہرہ ہونا تھا۔ ہم امرتسر سے بہت سے نوجوان لاہور پہنچے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے للکارا تو میں آگے بڑھ کر اس پر حملہ آور ہوا لیکن وہ بچ نکلا۔ پولیس نے ہمیں گرفتار کرلیا اور کیمپ جیل لاہور میں بند کردیا۔ ہم نے جیل میں ہنگامہ کردیا کہ سیاسی قیدی ہیں' بی کلاس دی جائے۔ رہائی کے کچھ عرصے بعد میری شادی ہوگئی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہم امرتسر ریلوے اسٹیشن سے لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔ ہرطرف آگ' خون' لوٹ مار اور بلوائیوں کے حملے تھے____ آگ اور خون کے سمندر کو ہم تین بھائی اور والد صاحب عبور کر کے پاکستان پہنچے۔ والدہ اور میری اہلیہ پہلے ہی لاہور پہنچ چکی تھیں۔

لاہور پہنچ کر ہم نے گوال منڈی میں ایک گھر لے لیا۔ میں کئی ماہ تک فارغ رہا۔ ایک روز ایک شخص کچھ پرانی انگوٹھیاں فروخت کر رہا تھا۔ میں نے اس سے وہ خرید لیں۔ کچھ عرصے کے بعد تانبے کے برتن بنانے کا کام شروع کیا۔ اتفاق سے ایک دوست مل گیا جو کویت آئل کمپنی میں کام کرتا تھا۔ اس نے کویت آنے کے لیے کہا کہ وہاں زیورات کا اچھا کام ہے۔ کسی نہ کسی طرح کرایے کا انتظام کر کے ۱۹۵۰ء میں کویت چلا گیا۔

○ **مزید آزمایش:** کویت میں چاندی کے زیورات کا کام شروع کرنا چاہا تو زرضمانت کا مسئلہ آڑے آگیا۔ چنانچہ ٹین کے ڈرم بنانا شروع کردیے۔ اس کام کے نتیجے میں بتدریج اتنے پیسے جمع ہوگئے کہ زرضمانت کا مسئلہ حل ہوگیا۔ اب اللہ کے فضل سے خوب آمدنی ہوئی اور بہت پیسہ کمایا۔ بدقسمتی سے ۱۹۶۲ء میں جب اپنا سرمایہ اور جمع پونجی لے کر دارا بحری جہاز سے کراچی کے لیے روانہ ہوا تو ایک حادثے کے نتیجے میں جہاز ہی ڈوب گیا۔ خدا کو زندگی منظور تھی لکڑی کا ایک تختہ ہاتھ آگیا۔ میں اس تختے کے سہارے سمندر سے نکلنے اور کنارے پر پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا رہا' بالآخر امدادی ٹیم پہنچ گئی اور میں بچ نکلا۔ کچھ عرصہ بحرین ہسپتال میں زیرعلاج رہا۔ اس حادثے سے مجھے شدید دھچکا لگا۔ میں بالکل کنگال ہوکر رہ گیا۔ چنانچہ کچھ ہمت کر کے دوبارہ کام شروع کیا۔ ۱۹۷۰ء میں مجھے لیبیا جانے کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر کرم کیا۔ میرا زیورات کا کاروبار خوب چمکا اور اچھی آمدن ہونے لگی۔ مجھے سیاحت کا بھی شوق تھا' سوچا کہ امریکا کی سیر کی جائے۔

○ایک اہم موڑ: ۷۴-۱۹۷۳ء میں امریکا کا میرا یہ سفر میرے لیے بہت اہم ثابت ہوا۔ ایک واقعے نے تو میری زندگی کا رخ ہی بدل کر رکھ دیا۔ مجھے نیاگرا فال دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اس خیال سے اپنے ایک دوست کے ہاں ڈیٹرائٹ اسٹیٹ گیا اور پھر وہاں سے نیاگرا فال' عظیم آبشار دیکھنے نکل کھڑا ہوا۔ بہت خوب صورت منظر تھا' بڑا خوش گوار موسم تھا۔ بہت سے سیاح آئے ہوئے تھے۔ میں بھی وہاں گھوم پھر رہا تھا اور خدا کی قدرت کا براہِ راست آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا تھا۔ اچانک میری نظر ایک شخص پر پڑی اور میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

○سید مودودیؒ سے ملاقات: ایک بزرگ سفید کُرتا پاجامہ پہنے ہوئے وہاں دکھائی دیے۔ وہ میری طرف مسکراتے ہوئے نہایت اپنائیت کے ساتھ دیکھ رہے تھے جیسے مجھے جانتے ہوں۔ میں ان کے قریب آیا اور سلام عرض کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور مسکرا کر ملے۔ میں نے کہا: معاف کیجیے' میں آپ کو پہچان نہ سکا۔ پھر انھوں نے اپنا تعارف کروایا کہ میرا نام ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہے۔ پاکستان میں رہتا ہوں اور یہاں علاج کی غرض سے آیا ہوا ہوں۔ میری رہایش قریب ہی پیراڈائز اسٹریٹ میں ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ مولانا مودودیؒ ہیں۔ آپ کا نام سن رکھا تھا مگر دیکھا نہیں تھا۔ آج شرفِ ملاقات بھی حاصل ہوگیا۔ عالمِ عرب میں تو آپ کا بڑا شہرہ ہے۔ کہنے لگے کہ مولانا نہ کہیے بلکہ میرے نام سے پکاریے۔ چنانچہ میں نے دوبارہ مولانا نہ کہا۔ میں نے بتایا کہ میں بھی پاکستانی ہوں اور یہاں سیاحت کی غرض سے آیا ہوا ہوں۔ پھر ہم مل کر سیر کرنے لگے۔ باتوں باتوں میں یہ تذکرہ بھی ہوا کہ ہم ہندو سے مسلمان ہوئے ہیں اور اس کے لیے بڑی آزمایش سے گزرنا پڑا جو ایک لمبی کہانی ہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ میں تفصیل سے آپ کے حالات جاننا چاہوں گا۔

سید مودودیؒ کی شخصیت بہت سحرانگیز تھی۔ میں اس بات سے ہی بہت متاثر ہوا کہ یہ شخص زندگی میں پہلی بار مجھ سے مل رہا ہے مگر کس تپاک' محبت اور اپنائیت سے پیش آرہا ہے کہ جیسے میں اس کا اپنا ہی ہوں۔ میرا دل چاہا کہ میں مزید کچھ دیر ان کے ساتھ ٹھیروں۔ چنانچہ گھر واپسی پر ان کے ساتھ ہولیا۔ پیراڈائز اسٹریٹ کچھ ٹوٹی پھوٹی تھی۔ میں نے کہا: نام تو اس کا پیراڈائز (جنت) ہے مگر ہے ٹوٹی پھوٹی۔ انھوں نے مسکرا کر جواب دیا: بھئی! جنت کی راہ بھی تو کوئی ایسی آسان نہیں۔ اس

راہ میں بہت سی رکاوٹیں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تب جاکر کہیں جنت ملتی ہے، لوگ اسے آسان سمجھتے ہیں۔ان خوش گوار جملوں میں بھی ایک سبق پوشیدہ تھا۔ مجھے ان کا یہ انداز بہت بھایا۔

سید مودودیؒ کے گھر پہنچ کر ہم نے اکٹھے چائے پی۔اس دوران تفصیلی تعارف کا موقع بھی میسر آیا۔ جب میں نے انھیں بتایا کہ ہمارا تعلق پانڈو خاندان سے تھا۔ ہندستان کے معروف رائٹر مُلک راج آنند میرے چچا ہیں۔ پھر مختصراً بتایا کہ کس طرح ہماری والدہ نے اسلام قبول کیا اور کن کن مراحل سے ہمیں گزرنا پڑا تو ان کا اشتیاق مزید بڑھ گیا۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ کہاں ٹھیرے ہوئے ہیں؟ میں نے بتایا کہ ایک دوست کے ہاں ٹھیرا ہوں تو کہنے لگے کہ آپ میرے ہاں بطور مہمان ٹھیریں۔ میں تفصیل سے آپ کے قبولِ اسلام کی روداد سننا چاہتا ہوں۔ پھر اصرار سے مجھے تین روز تک اپنے ہاں ٹھیرایا۔ بڑی تواضع سے پیش آئے، خود چائے بنا کر پلاتے اور جو موجود ہوتا اصرار کر کے کھلاتے۔

باتوں باتوں میں نہرو سے میری ملاقات کا تذکرہ بھی آ گیا: میں نے اپنے چچا مُلک راج آنند سے کہا کہ نہرو سے میری ملاقات کروا دیں۔ چنانچہ ایک روز ان سے ملاقات کے لیے گیا۔ وہاں متھرا سے ایک ہندو وفد بھی ملاقات کے لیے آیا تھا۔ وہ گاؤ ماتا کاٹنے پر مسلمانوں کو لعن طعن کر رہے تھے۔ یہ سن کر مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے کہا کہ پورا یورپ گاؤ ماتا کو کاٹتا ہے مگر انگریز تو ہم پر حکمران ہے۔ وہ چپ ہو کر رہ گئے۔ سید مودودیؒ اس بات سے بہت محظوظ ہوئے۔

سید مودودیؒ میں بھی بڑی عمدہ حسِ مزاح پائی جاتی تھی۔ عام طور پر بڑے لوگوں کے حوالے سے یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ سنجیدہ اور خشک مزاج ہوتے ہیں، لیکن میں نے ان کو مختلف پایا۔ وہ دورانِ گفتگو اس انداز میں بات کرتے تھے یا نکتہ نکالتے تھے کہ آدمی محظوظ ہوئے بغیر اور لطف اٹھائے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ان سے ملاقات کے دوران اُکتاہٹ کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔

میں نے ان سے یہ بھی عرض کیا کہ دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ میں نے خدمت خلق کو ایک اہم ذریعے کے طور پر اپنے سامنے رکھا۔ میں نے ایک واقعہ انھیں سنایا۔ ایک بار میں روم کے سفر پر تھا۔ کیمز سے بذریعہ بس چار گھنٹے کا سفر تھا۔ رات کے وقت اچانک ایک شخص کی مارے تکلیف کے کراہنے کی آوازیں آنے لگیں۔ جب درد کی شدت میں کچھ کمی واقع ہوئی تو میں نے آگے بڑھ کر

خیریت دریافت کی۔ وہ گھٹنوں کے شدید درد میں مبتلا تھا۔ اس کا نام گھنی شیام تھا اور بہت امیر شخص تھا۔ شیل آئل کمپنی ممبئی کا مالک تھا مگر اپنی تکلیف سے بہت تنگ تھا۔

جب میں نے ممبئی کی بولی میں کہا کہ تمھاری تکلیف دُور ہوسکتی ہے؟ وہ بہت خوش ہوا کہ میں نے دنیا جہان کے علاج کروالیے ہیں، پانی کی طرح پیسہ بہایا لیکن آرام نہ آیا اور تم کہتے ہو کہ آرام آسکتا ہے۔ میں نے کہا کہ بالکل آرام آسکتا ہے لیکن ایک کام کرنا ہوگا، اور وہ یہ کہ اپنی دولت کم کرو اور غریب غربا کی امداد کرو۔ اس نے کہا کہ تم بھی عجیب آدمی ہو۔ سب لوگ کہتے ہیں کہ پیسہ بڑھاؤ اور تم کہتے ہو کہ پیسہ کم کرو۔ پھر میں نے اسے سمجھایا کہ ممبئی میں بے شمار لوگ غربت کے ہاتھوں تنگ ہیں، ان کی مدد کرو۔ کچھ فلیٹس بنواؤ اور برسات میں جب لوگوں کی جھگیاں ڈھے جاتی ہیں، ان کو لاکر بساؤ۔ اسی طرح بہت سے کام ہوسکتے ہیں۔ جب یہ لوگ تمھارے حق میں دعائیں کریں گے تو اللہ تم پر کرم کرے گا۔ اس نے ہامی بھرلی کہ اچھا میں تمھارے نسخے پر بھی عمل کروں گا۔

کچھ عرصے بعد جب میں مصر میں دریاے نیل کے کنارے سیر کررہا تھا تو گھنی شیام سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ وہ گرم جوشی سے ملا۔ اس نے کہا کہ میں تمھارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ تم نے میرے گھٹنوں کے درد کا جو علاج بتایا تھا، میں نے اس پر عمل کیا اور اب میں ٹھیک ہوں۔ اب، چونکہ اس کا رجحان خدا کی طرف تھا، میں نے فوراً کہا کہ خدا کا شکرادا کرو کہ جس نے تمھیں صحت بخشی۔ ہم سب کا مالک خدا ہے، لہٰذا ایک خدا کی بندگی کرو۔ یہی اسلام ہے۔ اس نے کہا کہ میں یہ بات سمجھ گیا ہوں۔ بندوں کی خدمت کے ذریعے جس طرح خدا نے میرا لاعلاج مرض دُور کردیا، یقیناً وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں لیکن اس میں کچھ وقت لگے گا۔ اس طرح وہ شخص خدا کی راہ پر آگیا۔ سید مودودیؒ نے یہ واقعہ سن کر کہا کہ: جس طرح آپ نے خدا پر بھروسا کرتے ہوئے اور اس شخص کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر ایک حکمت سے اسے خدا کے راستے پر ڈالا، یہ بھی خدا کی دین ہے، اور تبلیغ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے۔

میں نے انھیں جہاں تفصیل سے قبولِ اسلام کی روداد سنائی وہاں ہندی کے بہت سے توحید پر مبنی اقوال سنائے۔ صوفیاے کرام کا سندھی اور دوسری زبانوں میں عارفانہ کلام بھی سنایا۔ میں نے کہا کہ آپ تو خود عالم ہیں، بہت علم رکھتے ہیں پھر مجھ سے کیوں سن رہے ہیں۔ کہنے لگے:

اس حوالے سے مجھے آپ سے کچھ نئی باتیں ملی ہیں، لہٰذا جاننے والے سے سیکھنا چاہیے۔ میرے دل میں ان کی عظمت دوبالا ہوگئی۔

میری روداد سن کر بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ آپ نے اور آپ کے خاندان نے اسلام قبول کرنے کے لیے فی الواقع بڑی قربانیاں دی ہیں اور صبرواستقامت کا مظاہرہ کیا۔ پھر یہ کہ نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ اپنے دین کو سیکھا اور آپ دین کو پھیلانے کے لیے ایک تڑپ بھی رکھتے ہیں۔ انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ آپ کو اللہ نے صلاحیت بھی بخشی ہے اور وسائل بھی دیے ہیں۔ آپ دین کو مزید سیکھیے، دین کے جدید تقاضوں کو بھی سمجھیے، اور پھر تبلیغ دین کا کام کریں۔ اس کے لیے جامعہ ازہر میں داخلہ لے کر مبلغ کا کورس کریں۔ انھوں نے لیبیا کے معروف عالمِ دین کا حوالہ دیا کہ ان سے رابطہ کریں، یہ جامعہ ازہر میں داخلے کے لیے آپ کی رہنمائی کریں گے، اگرچہ وہاں داخلہ ملنا آسان نہیں۔ چنانچہ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور جامعہ ازہر میں داخلے کا ارادہ کرلیا۔

نیاگرا فال کی سیاحت اور سید مودودیؒ سے اتفاقی ملاقات نے میری زندگی کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری زندگی کا حاصل ہے۔ یہ سید مودودیؒ کی شفقت اور حوصلہ افزائی تھی جس نے مجھے تبلیغ دین اور خدمتِ خلق کی راہ دکھائی اور عملی رہنمائی بھی دی۔

○ **جامعہ ازہر سے مبلّغ کا کورس:** خدا اپنے بندوں کے ارادوں کو کس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے اور کس طرح راہیں کھولتا ہے، اس کا مشاہدہ مجھے تب ہوا، جب میں نے جامعہ ازہر میں داخلہ لینے کا ارادہ کیا۔ حسنِ اتفاق سے ایک روز لیبیا کے وہ عالم دین جن کا سید مودودیؒ نے تذکرہ کیا تھا ہماری دکان پر زیورات بنوانے کے لیے آگئے۔ انھیں دیکھ کر ہمارا مالک اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور ان سے بہت احترام سے پیش آیا۔ اس طرح میری ان سے ملاقات ہوگئی۔ جب میں نے اُن سے سید مودودیؒ کا تذکرہ کیا تو ان کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ میں داخلے کی کوشش کروں گا۔ پھر انھوں نے جامعہ ازہر کے شیخ کے نام خط لکھ کر دیا۔ میرے لیے دکان چھوڑنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ انھی دنوں لیبیا کی حکومت نے سونے کے کاروبار پر پابندی عائد کردی۔ اب عملاً ہمارا کاروبار بند ہوگیا۔ یوں جامعہ ازہر کے لیے راہ ہموار ہوگئی۔

کورس مکمل کرنے کے بعد دوبارہ لیبیا میں اپنے کاروبار کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس طرح

کاروبار بھی جاری رہا اور جہاں جہاں جیسے جیسے مجھے موقع ملتا میں دعوتِ دین کا فریضہ بھی انجام دیتا رہا اور خدا کے بندوں کی جہاں تک ممکن ہو سکا خدمت بھی کرتا رہا۔ یہ مجھ پر اللہ کا خصوصی فضل رہا کہ کئی غیر مسلم مرد اور خواتین میری کوشش کے نتیجے میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

○ **سید مودودیؒ سے آخری ملاقات:** کئی برس بعد وطن واپسی ہوئی تو سید مودودیؒ کے گھر پر ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ وہ مل کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے اپنے کورس کی تکمیل اور اپنی دیگر سرگرمیوں سے بھی آگاہ کیا۔ اس پر انھوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے رفقا سے میرا تعارف نہایت احسن انداز میں کروایا اور بتایا کہ یہ ہندو سے مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کے خاندان نے اسلام سے فیض یاب ہونے کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اب یہ ازہری ہیں، مبلغ ہیں اور توحید کے علَم بردار ہیں۔ وہاں موجود لوگوں نے بھی کچھ سوالات کیے۔ کچھ دیر ٹھیرنے کے بعد میں نے سید مودودیؒ سے رخصت چاہی۔ یہ میری ان کے ساتھ آخری ملاقات تھی۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد آپ رحلت فرما گئے۔

آج بھی جب کبھی پلٹ کر ماضی کی طرف دیکھتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ ہم پر اللہ کی کتنی کرم نوازی تھی کہ دینِ حق قبول کرنے کے لیے کس طرح سے راہیں کھول دیں۔ ہرن کی کھال پر کرشن مہاراج کی تعلیمات کے ذریعے کس طرح ہماری والدہ صاحبہ نے تصورِ توحید کو پایا، قبولِ اسلام کے بعد طویل آزمایش کی کٹھن منزلیں کس طرح سے طے کروائیں، فہمِ دین کے لیے مواقع پیدا کیے، سید مودودیؒ سے اتفاقی ملاقات نے جس طرح زندگی کا رخ متعین کردیا اور جامعہ ازہر سے دین کے جدید تقاضے اور مبلغ کے کورس کی توفیق ملی—— ہم اس کے احسانات کا شکر ادا کرنا بھی چاہیں تو بلاشبہہ نہیں کرسکتے۔

آج بھی اس پیرانہ سالی میں، میں سید مودودیؒ کی ہدایت کے مطابق دعوتِ دین اور بندوں کی خدمت کے مشن پر گامزن ہوں۔ خدا ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے جاری کردہ مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور مجھے بھی اپنی راہ میں استقامت بخشے۔ میری قبولِ اسلام کی یہ روداد میرے حق میں حجت ثابت ہو، اور لوگوں کے حق میں اسلام کی حقانیت کو اُجاگر کرنے، دین جیسی متاعِ عظیم کی حقیقی قدر پیدا کرنے اور اسے عام کرنے کا ذریعہ بنے۔ آمین!

اسلامی بنک کاری: ایک اہم پیش رفت

میاں محمد اکرم ؀

'اسلامی بنک' بنگلہ دیش کا قیام ۱۹۸۳ء میں عمل میں لایا گیا۔ اس بنک کو جنوب مشرقی ایشیا میں پہلا اسلامی بنک ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بنگلہ دیش میں نجی شعبے میں سب سے زیادہ شاخوں پر مشتمل سب سے بڑا نیٹ ورک ہے جو اسلامی شریعت کے تقاضوں کے مطابق بنک کاری کر رہا ہے۔ یہ بنگلہ دیش کی سماجی و معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

اسلامی بنک بنگلہ دیش کے قیام کے بنیادی مقاصد میں غیر سودی بنک کاری کا فروغ' قرض کے بجائے شراکت پر مبنی بنک کاری کا آغاز' اسلامی شریعت کے مطابق سرمایہ کاری' نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر لوگوں سے امانتوں کی وصولی' فلاحی مقصد کے پیش نظر بنک کاری کا نظام' غریب' بے کس اور کم آمدنی والے لوگوں کی حالت میں تبدیلی لانا' انسانی ترقی اور روزگار کے نئے مواقع کی فراہمی' کم ترقی یافتہ علاقوں میں سرمایہ کاری کے ذریعے ملکی ترقی میں حصہ لینا اور اسلامی معاشی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد میں اپنا حصہ شامل کرنا ہیں۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے اسلامی بنک اپنے کھاتہ داروں کو مختلف قسم کے ڈیپازٹ اکاؤنٹ پیش کرتا ہے جہاں لوگ اپنی امانتیں جمع کروا سکتے ہیں۔ بنک جمع شدہ رقوم کو سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرتا ہے۔ زرمبادلہ کے کاروبار میں حصہ لینے کے علاوہ بنک کاری سے متعلقہ دوسری خدمات بھی بہم پہنچاتا ہے۔ مزید برآں 'اسلامی بنک فاؤنڈیشن' کے ذریعے فلاحی سرگرمیوں

؀ اسسٹنٹ پروفیسر' شعبہ معاشیات' گورنمنٹ کالج آف سائنس' لاہور

میں حصہ لیتا ہے۔ بنک عوام الناس کو سود کی لعنت اور سود کے شکنجے سے بچانے اور انھیں اپنے لیے اور اپنے وطن عزیز کے لیے بچت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اکاؤنٹ ہولڈر درج ذیل اقسام کے اکاؤنٹس میں اپنی بچتیں جمع کروا سکتے ہیں: ○ الودیعہ کرنٹ اکاؤنٹ ○ مضاربہ بچت اکاؤنٹ ○ مضاربہ ٹرم ڈیپازٹ اکاؤنٹ ○ مضاربہ اسپیشل نوٹس اکاؤنٹ ○ مضاربہ حج بچت اکاؤنٹ ○ مضاربہ اسپیشل سیونگ (پنشن) اکاؤنٹ ○ مضاربہ سیونگ بانڈ اسکیم ○ مضاربہ زرمبادلہ ڈیپازٹ (بچت) اکاؤنٹ ○ مضاربہ مہر بچت اکاؤنٹ ○ مضاربہ ماہانہ منافع ڈیپازٹ اکاؤنٹ ○ مضاربہ وقف کیش ڈیپازٹ اکاؤنٹ۔

ان کھاتوں میں سے الودیعہ کرنٹ اکاؤنٹ پر کوئی منافع نہیں دیا جاتا، جب کہ بقیہ اقسام کے کھاتوں پر کُل منافع کا ۶۵ فی صد کھاتہ داروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

مضاربہ حج بچت کھاتہ کا مقصد ایسے لوگوں کو سہولت بہم پہنچانا ہے جو حج کرنے کی غرض سے اپنی بچتیں جمع کرنا چاہتے ہیں۔

مضاربہ بچت بانڈ اسکیم میں سرمایہ کاری پانچ یا آٹھ سال کے لیے کی جا سکتی ہے۔ مضاربہ پنشن اکاؤنٹ میں کھاتہ دار ہر ماہ اپنی تھوڑی تھوڑی بچتیں جمع کروا سکتے ہیں اور ایک مدت مقررہ کے بعد اس پر منافع حاصل کر سکتے ہیں یا ایک خاص عرصہ تک ماہانہ آمدنی حاصل کر سکتے ہیں۔

مضاربہ ماہانہ منافع ڈیپازٹ اسکیم میں کھاتے دار اپنی رقم جمع کروانے کے ۳۰ دن کے بعد منافع حاصل کرتا ہے، اس منافع کو بنک کے مالی سال کے اختتام پر کُل منافع میں جمع وتفریق (adjust) کر لیا جاتا ہے۔

مضاربہ مہر بچت اسکیم (MMSS) کا مقصد خواتین کے حقوق کا تحفظ اور ان لوگوں کے لیے مواقع کی فراہمی ہے جو اپنی بیویوں کا حق مہر یک مشت ادا نہیں کر سکتے۔ ایسے افراد ۵ یا ۱۰ سال کے لیے اپنی تھوڑی تھوڑی بچت بنک میں جمع کرواتے رہتے ہیں اور مدت کے اختتام پر رقم مع منافع ان کو مل جاتی ہے۔

مضاربہ وقف کیش ڈیپازٹ اکاؤنٹ (MWCDA) کا مقصد ان صاحب حیثیت لوگوں کو سہولت بہم پہنچانا ہے جو اپنی دولت میں سے ضرورت مند لوگوں پر خرچ کرنا چاہتے ہیں۔

بنک اس اکاؤنٹ کے ذریعے وقف کے اسلامی تصور کو بھی فروغ دے کر ملک کے اندر مختلف مذہبی' تعلیمی اور سماجی خدمات کی فراہمی کے لیے لوگوں کو ترغیب دینا چاہتا ہے۔ اس قسم کے اکاؤنٹ پر منافع کی شرح زیادہ رکھی جاتی ہے اور صاحبِ خیر حضرات کی ہدایات کے مطابق ان رقوم کو انسانی بھلائی کی خاطر استعمال کیا جاتا ہے۔

اہداف، مقاصد اور طریق کار

اسلامی بنک اپنے کھاتہ داروں سے وصول شدہ رقوم کو سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرتا ہے جس کے اہداف' مقاصد اور طریق کار درج ذیل ہے:

رقوم کو اسلامی شریعت کے عین مطابق سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرنا' مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری' بنک سرمایہ کاری کے ذریعے اپنے اور اپنے سرمایہ کار شرکا کے حقوق و فرائض پر گہری نظر رکھتا ہے۔ اس مقصد کے لیے پیشہ ورانہ انداز میں سرمایہ کاری کی تجاویز کی منظوری دیتا ہے اور منصوبوں کی مسلسل نگرانی کرتا ہے۔ سرمایہ کاری کرتے ہوئے ملک کی سماجی و معاشی ضروریات کو پیش نظر رکھتا ہے۔ بنک شراکتی سرمایہ کاری کے ذریعے کاروبار کو فروغ دیتا ہے۔ اسی طرح غربت کے خاتمے اور ملک میں روزگار کے زیادہ مواقع کی فراہمی بھی بنک کے مقاصد میں شامل ہے۔ نقد سرمایہ کاری کے بجاے بنک اشیا وغیرہ کی صورت میں سرمایہ فراہم کرتا ہے۔

بنک سرمایہ کاری کے لیے اسلامی شریعت کے مطابق درج ذیل بنیادوں پر سرمایہ فراہم کرتا ہے:

○ **بیع مرابحہ:** اس طریقے کے مطابق بنک اور خریدار کے درمیان معاہدہ طے پاتا ہے اور وہ ان حلال اشیا اور اثاثوں کو خرید کر بیچتا ہے جس کی اجازت ملکی قانون کے اندر موجود ہے۔ شے کی فروخت اصل قیمت جمع منافع کے اصول پر ہوتی ہے۔ خریدار شے کی قیمت یک مشت یا قسط وار مستقبل میں ادا کرتا ہے۔

○ **بیع مؤجل:** خریدار بنک سے کوئی شے (مثلاً مشینری) خریدتا ہے۔ شے کی قیمت قسط وار یا یک مشت مستقبل میں ادا کرتا ہے (یہ بیع مرابحہ سے یوں مختلف ہے کہ مؤجل کی صورت میں

شے کی قیمتِ خرید کا ظاہر کرنا شرط نہیں ہے)۔

○ **بیع سَلَم:** اس صورت میں خریدار کسی خاص شے (مصنوعات‘ مشینری وغیرہ) کی قیمت ایڈوانس جمع کرواتا ہے اور وہ مخصوص شے مستقبل میں خریدار کو بنک فراہم کرتا ہے۔

○ **مشارکة:** یہ بنک اور سرمایہ کار (bank client) کے درمیان ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس میں بنک اور فریق ثانی (ایک فرد‘ افراد کا مجموعہ یا ادارہ) سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ کاروبار کو منظم کرتے ہیں۔ کاروبار سے ہونے والا اصل منافع فریقین میں پہلے سے طے شدہ نسبتوں سے باہم تقسیم کرلیا جاتا ہے۔ نقصان کی صورت میں فریقین کو اپنے سرمایوں کی نسبت سے نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

○ **مضاربة:** یہ منافع میں شرکت کا معاہدہ ہوتا ہے جس میں ایک فریق (بنک) سرمایہ فراہم کرتا ہے اور فریق ثانی محنت و مہارت فراہم کرتا ہے اور کاروبار کو منظم کرتا ہے۔ پہلے سے طے شدہ نسبتوں سے کاروبار میں ہونے والے اصل منافع کو باہم تقسیم کرلیا جاتا ہے‘ جب کہ نقصان کی صورت میں تمام کا تمام مالی نقصان فریق اوّل (بنک) کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

○ **شرکت مِلک کے تحت کرایے پر خریداری کا معاہدہ:** یہ معاہدہ تین مختلف معاہدوں پر مبنی ہوتا ہے‘ یعنی شراکت‘ اجارہ اور خرید و فروخت۔ اس معاہدے کے مطابق فریقین (دو یا دو سے زائد) مل کر شراکتی سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور کوئی اثاثہ (مثلاً مشین وغیرہ) خریدتے ہیں۔ اس کو کرایے پر دے کر فریقین معاہدے کے مطابق نفع میں شریک ہوتے ہیں اور نقصان کی صورت میں اپنے سرمایوں کی نسبت سے اسے برداشت کرتے ہیں۔

سرمایہ کاری کے ضمن میں جو بات اہم ہے وہ یہ کہ صرف منافع کمانا ہی بنک کا مقصدِ وحید نہیں ہے بلکہ سماجی بھلائی اور روزگار کے مواقع کی فراہمی بھی اس کے پیش نظر ہے۔ سرمایہ کاری کرتے ہوئے کاروبار کے حجم‘ کاروباری شعبہ‘ علاقہ‘ معاشی مقاصد اور سیکورٹی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

بنک کی کارکردگی

اسلامی بنک بنگلہ دیش ۱۹۸۵ء میں ڈھاکہ اسٹاک ایکسچینج اور ۱۹۹۶ء میں چٹاگانگ

اسٹاک ایکسچینج میں لسٹ ہوا۔ ۲۰۰۱ء سے ڈھاکہ اسٹاک ایکسچینج نے اسلامی بنک کو اس کی کارکردگی کی بنا پر ۲۰ بلیوچپس کمپنیوں اور چٹاگانگ ایکسچینج نے اسے ۲۰۰۰ء سے ۳۰ بلیوچپس کمپنیوں میں شمار کیا ہے۔ نیویارک کے معروف میگزین گلوبل فنانس (Global Finance) نے اسلامی بنک بنگلہ دیش کو ۱۹۹۹ء، ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۴ء کے لیے بنگلہ دیش کا بہترین بنک قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی بنک نے گذشتہ ۲۳ سالوں میں بنگلہ دیش کے تمام بنکوں سے زیادہ انکم ٹیکس حکومتی خزانے میں جمع کروایا ہے جو کہ ۴۰۰۰ ملین ٹکہ (۴ کروڑ امریکی ڈالر) کے برابر ہے۔

۲۰۰۵ء تک بنک کی شاخوں کی تعداد ۱۶۹ تک پہنچ چکی ہے، جب کہ ۲۰۰۴ء میں یہ تعداد ۱۵۱ تھی۔ بنک کا ہدف ہر تھانے کی سطح پر ایک شاخ (branch) قائم کرنا ہے، جب کہ ۲۰۰۶ء میں مزید ۲۵ شاخیں قائم کی جائیں گی۔ اسی طرح اس سال دو شاخیں بیرون ملک قائم کی جائیں گی۔ بنک کی تمام شاخوں کو کمپیوٹرائزڈ کر دیا گیا ہے، جب کہ ۳۷ برانچیں آن لائن خدمات بھی فراہم کر رہی ہیں۔ ہدف یہ ہے کہ تمام شاخوں کو جلد از جلد آن لائن کر دیا جائے۔

بنک کا ادا شدہ سرمایہ ۲۷۶۴ء۸ ملین ٹکہ (۴۰ ملین ڈالر) ہے اور منظور شدہ سرمایہ ۵۰۰۰ ملین ٹکہ (۷۳ ملین ڈالر) ہے، جب کہ بنک کے حصہ داران (share holders) کی تعداد ۱۶ ہزار ہے۔ ۰۴-۲۰۰۳ء میں بنک نے اپنے حصہ داران کو ۲۰ فی صد کی شرح سے منافع تقسیم کیا، جب کہ بورڈ نے سال ۲۰۰۵ء کے لیے منافع کی شرح ۲۵ فی صد طے کی ہے۔

۲۰۰۵ء تک بنک کھاتوں میں جمع ہونے والی رقوم ۱۰۸,۲۶۱ ملین ٹکہ (۱۵۷۰ ملین ڈالر) ہیں، جب کہ کھاتہ داروں کی تعداد ۳۰ لاکھ تھی، جب کہ ۲۳ اپریل ۲۰۰۶ء تک کھاتہ داروں کی تعداد ۳۳ لاکھ ۴۱ ہزار اور جمع شدہ رقوم ۱۱۱,۶۰۲ ملین ٹکہ ہو چکی ہیں، جب کہ گذشتہ پانچ سالوں میں جمع شدہ رقوم میں ۲۸ فی صد اضافہ ہوا ہے۔

۲۰۰۵ء میں بنک نے ۱۰۲,۱۴۵ ملین ٹکہ کی سرمایہ کاری اور ۲۳ اپریل ۲۰۰۶ء تک سرمایہ ۱۱۰,۵۷۹ ملین ہو چکی ہے۔ سرمایہ کاری کرنے والے کھاتہ داروں کی تعداد ۵ لاکھ ہے جس میں گذشتہ پانچ سالوں میں ۲۹ فی صد اضافہ ہوا ہے، جب کہ بنک نے سرمایہ کاری کے ذریعے ۳ لاکھ لوگوں کو روزگار فراہم کیا ہے۔ سرمایہ کاری کا ۴۵ فی صد صنعتی شعبے میں، ۳۹ فی صد تجارتی شعبے میں،

۸ فی صد تعمیرات' ۳ فی صد تحتی ڈھانچا (infra structure)' ۲ فی صد زراعت اور بقیہ ۳ فی صد سرمایہ کاری دیہی ترقی (rural development)' چھوٹے پیانے کی صنعتوں' طبی شعبہ' اشیاے صارفین' دودھ اور مرغبانی کے شعبوں میں ہوئی ہے۔

۲۰۰۵ء کے اختتام پر گارمنٹس سیکٹر کے ۲۱۹' ٹیکسٹائل کے ۱۳۶' زرعی شعبہ کے ۷۵' اسٹیل اور انجینیرنگ کے ۵۴' پرنٹنگ کے ۲۸ اور دیگر شعبوں کو ملا کر ۸۲۱ منصوبوں میں سرمایہ کاری کی گئی۔

دیہی ترقی میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے بنک نے ۱۹۹۵ء میں ''رورل ڈویلپمنٹ اسکیم'' شروع کی' جس کا مقصد چھوٹے پیانے پر سرمایہ کاری کی فراہمی کے ذریعے دیہات کے لوگوں کو کام اور روزگار کے مواقع فراہم کرنا اور ان کی آمدنیوں میں اضافے کے ذریعے غربت کا خاتمہ تھا۔ اس اسکیم میں رقوم کی واپسی کی شرح ۹۹ فی صد ہے۔ اگلے دو سالوں میں اس اسکیم کے تحت سرگرمیوں میں دگنا اضافے کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔

درآمدی و برآمدی کاروبار کے لحاظ سے اسلامی بنک ملک کا تیسرا بڑا اور بیرون ملک کے ترسیلات کے حوالے سے دوسرا بڑا بنک ہے۔ اس مقصد کے لیے بنک نے ۲۷ ملکوں میں ۲۳۵ بنکوں اور زرمبادلہ کے اداروں سے ۸۵۰ معاملات طے کیے ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں گذشتہ سال کی نسبت ۳۱ فی صد اضافے کے ساتھ بنک کا زرمبادلہ کا کاروبار ۲۱۳۹ ملین ڈالر کا رہا۔

اسلامی بنک بنگلہ دیش کی ایک انفرادیت یہ ہے کہ بنک کی سرگرمیوں کا رخ معاشرتی فلاح و بہبود کی طرف ہے۔ معاشرتی فلاح و بہبود' غریبوں اور ضرورت مند لوگوں کو مالی امداد کی فراہمی کے لیے 'اسلامی بنک فاؤنڈیشن' کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس فاؤنڈیشن کا مقصد پس ماندہ لوگوں کی ترقی' عام لوگوں کو تعلیمی سہولتوں کی فراہمی دیہی اور شہری علاقوں میں محروم لوگوں کے لیے صحت کی سہولتوں کی فراہمی' انسانی ذرائع کی ترقی' ادب اور فن و ثقافت کی صحت مندانہ ترویج' سائنس و ٹکنالوجی' کھیلوں' تحقیق اور اسلامی تعلیمات کا فروغ ہے۔ پورے بنگلہ دیش میں اس مقصد کے لیے فاؤنڈیشن کی سرگرمیاں جاری ہیں۔

پانچ جدید 'اسلامی بنک ہسپتال' اور چار 'اسلامی بنک کمیونٹی ہسپتال' قائم کیے گئے ہیں۔ اسلامی بنک انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی کے نام سے پانچ پیشہ ورانہ ادارے' نفسیاتی و جسمانی

معذوری کی بحالی کا ادارہ' آفات سے متاثرہ خواتین کی بحالی کا ادارہ' اسلامی بنک انٹرنیشنل اسکول اینڈ کالج'، 'اسلامی بنک میڈیکل کالج' پانچ سروس سنٹر کے علاوہ غریب اور ذہین طلبا کے لیے وظائف' طبی مقاصد کے لیے مالی امداد اور ضرورت مند لوگوں کی بچیوں کی شادی کے لیے امداد فراہم کی جارہی ہے۔ اس طرح اسلامی بنک بنگلہ دیش نہ صرف ملکی ترقی میں بھرپور حصہ لے رہا ہے' بلکہ سماجی و معاشرتی سطح پر خدمت عامہ کے لیے بھرپور جدوجہد کر رہا ہے۔ دن رات کی محنت شاقہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ (جناب عبدالرقیب' ایگزیکٹو صدر' اسلامی بنک بنگلہ دیش کی تحریر سے ماخوذ)

معــــاون خصوصی کے لیے میری اپیل کے جواب میں قارئین نے کھلے دل سے تعاون کیا اور اب یہ تعداد ۸۰۰ سے زائد ہے۔ ہمارے پیش نظر کوئی مہم نہیں ہے' ایک سہولت ہے جس سے جو چاہے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ **ترجمــان القرآن** جیسے رسالے کے ساتھ ایک عملی تعاون ہے اور **ترجمــان** کے ذریعے قرآن کے پیغام کو عام کرنے اور پھیلنے والے خیر میں معاونت و صدقہ جاریہ بھی۔

میں ان سب افراد کے لیے جنھوں نے میری اپیل پر لبیک کہا اور خصوصی تعاون کیا' اللہ تعالیٰ سے خصوصی اجر کی دعا کرتا ہوں۔

پروفیسر خورشید احمد

مدیر

جدید اور قدیم علوم کا حسین امتزاج

سید مودودیؒ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ

داخلہ برائے بی۔اے۔ پانچ سالہ کورس

فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ

15 اگست 2006ء

داخلہ ٹیسٹ :

21 اگست 2006ء

میٹرک اور ایف۔اے پاس طلبہ داخلہ لے سکتے ہیں۔

نمایاں خصوصیات

- ☆ ایک سال کے اندر عربی اور انگلش بول چال میں مہارت
- ☆ سالانہ امتحان میں 85% سے زائد نمبر حاصل کرنے پر دس ہزار روپے کا نقد انعام
- ☆ سال کے آخر میں 85% نمبر حاصل کرنے والے طلباء کے لیے ایم۔اے۔(اصول الدین) کے تمام اخراجات فری
- ☆ ہونہار طلبہ کے لیے 15 وظائف
- ☆ تجربہ کار/بیرون ملک سے تعلیم یافتہ اساتذہ کی زیر نگرانی
- ☆ داخلہ انٹرویو/میرٹ کی بنیاد پر ہوگا
- ☆ ہاسٹل کی سہولت

رجسٹرار: سید مودودیؒ انسٹی ٹیوٹ، وحدت روڈ، لاہور۔ فون نمبر: 5413517,5416694

پرسکون ماحول | انفرادی توجہ | شاندار مستقبل | ہوسٹل کی سہولت | کشادہ کیمپس

منصورہ ماڈل ڈگری کالج وحدت روڈ لاہور

ICS, F. Sc. (Pre-Med & Pre Engg.) F.A., I.Com., B. A., B. Sc.

2005ء میں 36 طلبہ کی فرسٹ ڈویژن
8 طلبہ کا انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ

ہونہار طلبہ کے لیے
ایکسیلینس گروپ

کم نمبروں کے باوجود
ترقی کے روشن امکانات

- ☆ ہزاروں کتب پر مشتمل شاندار لائبریری
- ☆ جدید ایئر کنڈیشنڈ کمپیوٹر لیبارٹری
- ☆ ایف ایس سی اور بی ایس سی کے لیے الگ الگ لیبارٹریز
- ☆ 80 فیصد سے زائد نمبروں والے طلبہ کے لیے پوری فیس معافی کے علاوہ نقد وظیفہ
- ☆ 75 فیصد سے زائد نمبروں والے طلبہ کو-/500 روپے ماہوار سکالرشپ

ایف اے، آئی سی ایس، آئی کام اور بی اے بی ایس سی میں 70 فیصد نمبر والے طلبہ کے لیے خصوصی رعایت

بوائز کیمپس، وحدت روڈ لاہور
5419324-5420428

گرلز کیمپس، ملتان روڈ لاہور
5426646-5432418

امریکی معاشرہ: ایک سابق صدر کی گواہی

حافظ سعید عاطف ○

آج امریکا بزعم خویش ایک سوپر پاور ہے۔ دنیا بھر کی سیاست پر اس کی گہری چھاپ ہے' پالیسیاں اس کے اشارۂ ابرو سے تشکیل پذیر ہو رہی ہیں' مگر عملاً امریکی معاشرہ کس اخلاقی گراوٹ' معاشرتی انتشار' کھوکھلے پن اور انحطاط و زوال سے دوچار ہے' اس کی ایک کھلی گواہی خود امریکا کے سابق صدر جمی کارٹر پیش کر رہے ہیں۔ انھوں نے امریکا کو تباہی سے بچانے اور آیندہ نسلوں کے مستقبل کے تحفظ و بقا کے لیے صداے احتجاج بلند کی ہے اور اہل علم و فکر کو اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور و فکر اور بروقت اقدام کے لیے توجہ دلائی ہے۔ درحقیقت یہ امریکی تہذیب کے خلاف ایک صداے احتجاج ہے۔ مادر پدر آزادی نے 'فیملی یونٹ' کو جس طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے، پھر بے رحم سرمایہ داری نے ان رشتوں کو اپنے اوپر بوجھ قرار دے کر ان سے جس طرح جان چھڑائی ہے' اس رویے پر ایک طنز کے ساتھ ساتھ ایک افسردگی و تاسف بھی ہے کہ کوئی قوم جب اخلاق سے محروم ہو جاتی ہے تو اس کی اجتماعیت کس طرح بکھر کر رہ جاتی ہے۔

اس حوالے سے حال ہی میں ان کی کتاب Our Endangered Values (خطرات کی زد میں آئی ہوئی ہماری اقدار) سامنے آئی ہے۔ یہ کتاب ۱۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب چونکا دینے والے حقائق سے معمور ہے اور اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتا ہے' تاہم چند عنوانات تو 'فرد جرم اور سلطانی گواہ' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلے باب میں 'واشنگٹن میں بنیاد پرستی' کے عنوان کے تحت لکھتے

○ استاذ' شعبہ علوم اسلامیہ' ایم اے او کالج' لاہور

ہیں: آج کل واشنگٹن کا منظر مکمل طور پر تبدیل ہو چکا ہے اور تقریباً ہر معاملے میں سخت جانب دارانہ بنیادوں پر فیصلے کیے جاتے ہیں ___ بنیادی معاہدے لابی کاروں اور قانون ساز لیڈروں کے مابین ہوتے ہیں___ بنیاد پرست رجحانات عروج پر ہیں اور مذہب وسیاست پر اثر انداز ہورہے ہیں۔(ص ۲۴)

'سب سے زیادہ قتل امریکا میں ہوتے ہیں' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: امریکا میں آتشیں اسلحے سے قتل کی شرح' ۳۵ زیادہ آمدنی والے ملکوں میں آتشیں اسلحے سے قتل کی مجموعی شرح سے ۱۹ گنا زیادہ ہے۔اس سال امریکا میں ۳۰ ہزار ۴ سو ۱۹ افراد کو ہینڈ گنوں سے قتل کیا گیا۔(ص ۲۹)

'طلاق اور ہم جنس پرستی کے گناہ' کے تحت لکھتے ہیں: ہمارے ہاں طلاق اب خطرناک حد تک عام ہو چکی ہے۔تمام امریکی بالغوں میں سے ۲۵ فی صد میں کم از کم ایک مرتبہ طلاق ہو چکی ہے (ص ۷۵)۔گویا خاندان کا نظام امریکا میں بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔کینیڈا اور یورپ کے مقابلے میں امریکا کے اندر جنسی بے راہ روی زیادہ ہے۔ یہاں اسقاط حمل بھی زیادہ ہوتا ہے' سوزاک اور ایڈز جیسی خطرناک بیماریوں کی شرح بھی زیادہ ہے۔(ص ۸۰)

'سزاے موت' کے تحت وہ لکھتے ہیں: ایک ہزار امریکیوں میں سے سات جیل میں ہیں___ یہ دنیا میں قید کی سب سے زیادہ شرح ہے۔بہت سی امریکی ریاستوں میں تعمیراتی صنعت کی سب سے بڑی مصروفیت جیلوں کی کوٹھڑیاں بنانا ہے ___ میرے بعد جارجیا کے گورنر رہنے والے ایک سیاست دان نے میری بیوی کے سامنے فخریہ کہا کہ اس کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ اس نے تقریباً ۴۵ مربع میل رقبے پر جیل کی کوٹھڑیاں تعمیر کروائیں ہیں (ص ۸۴)۔دنیا میں سب سے زیادہ بالغ مردوں و بچوں میں سزاے موت امریکا میں دی جاتی ہے۔(ص ۸۴)

'بنیاد پرستی حکومت میں' کے تحت انھوں نے برملا اعتراف کیا ہے کہ: اب بعض نیوکونز حکومت کے اعلیٰ ترین مشاورتی مناصب پر فائز ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے پوری دنیا پر امریکی تسلط قائم کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے اور انھوں نے اس استعماری ہدف کو پانے کے لیے پیش بندی کی جنگ کو قابل قبول قرار دیا ہے۔نائب صدر ڈک چینی اور اس کے دوستوں نے نائن الیون سے پہلے یا فوری بعد عراق کو پہلے ہدف کے طور پر چن لیا تھا۔جس کا بظاہر مقصد اسرائیل کو لاحق خطرے کا

تدراک کرنا، نیز عراق کو مشرق وسطیٰ میں ہمارا مستقل فوجی، معاشی اور سیاسی اڈا بنانا ہے۔ (ص ۱۰۱)

مختلف النوع اسلحہ و میزائل بنانے کے الزام محض نمایشی تھے، اصل منصوبہ پہلے سے طے شدہ تھا۔ وہ آگے مزید لکھتے ہیں: ۲۰۰۰ء کے صدارتی انتخابات کے فوراً بعد یہ واضح ہو گیا کہ ہمارے بعض نئے لیڈروں نے عراق پر حملہ کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ ناین الیون کے بعد جھوٹے اور مسخ شدہ دعووں کے ذریعے انھوں نے امریکی کانگرس اور امریکی عوام کو یہ یقین دلا کر گمراہ کیا کہ صدام حسین ورلڈ ٹریڈ ٹاور اور پینٹاگان پر حملوں کا ذمہ دار ہے، اور یہ کہ عراق ایٹمی اسلحے اور دوسرے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار تیار کر رہا ہے اور امریکا کی سلامتی کے لیے براہ راست خطرہ بن چکا ہے۔ اگرچہ بعد میں ان بیانات کی فریب کاری عیاں ہوگئی، تاہم وہ اپنا کام کر چکے تھے اور ہمارے بھروسا کر لینے والے شہری جنگ کے حامی بن چکے تھے۔ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے غیر موجود ہتھیاروں کے حوالے سے بڑھا چڑھا کر کیے جانے والے اعلانات نے خوف کو برقرار رکھا۔ نائب صدر ڈک چینی مسلسل جھوٹے بیانات دیتے رہے۔ (ص ۱۴۱)

امریکی خارجہ پالیسی کے تحت وہ لکھتے ہیں: اگرچہ امریکا کی خارجہ پالیسی پر بہت سے دوسرے پیچیدہ اساسی عناصر نے منفی اثر ڈالا ہے، تاہم بنیاد پرستوں نے جذباتی معاملات پر شعلہ بیانی کر کے اور مخالفوں سے مذاکرات سے گریز کر کے امریکی خارجہ پالیسی کی صورت کو بگاڑ دیا ہے (ص ۱۰۳)۔ امریکا کی مشرق وسطیٰ میں پالیسی پر کچھ عیسائی بنیاد پرستوں کا بھرپور اثر ہے۔ امریکا میں تقریباً ہر شخص ۱۲ کتابوں پر مشتمل Left Behind سیریز سے واقف ہے جس کے مصنف ٹم لا اور جیری بی جینکنس ہیں۔ ان کتابوں نے فروخت کے سارے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ انھوں نے یہ کتابیں بائبل کی احتیاط سے منتخب کردہ عبارتوں خصوصاً 'بک آف ریویلیشن' سے لی گئی عبارتوں کی اساس پر لکھی ہیں اور ان میں دنیا کے ختم ہونے کی منظرکشی کی گئی ہے...... امریکی حکومت کی پالیسیوں میں ایسے نظریات کا پایا جانا تشویش کا سبب ہے۔ انھی نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے چند عیسائی لیڈر عراقی جنگ کو بڑھانے میں پیش پیش رہتے ہیں، اور بار بار اسرائیل کے دورے کرتے رہتے ہیں۔ وہ اس کی مدد کے لیے اسے چندے دیتے رہے ہیں اور فلسطینی علاقے کو نو آبادی بنانے کے لیے واشنگٹن میں لابی کرتے رہے ہیں (ص ۱۱۱-۱۱۲)۔ مسلم دنیا کو بنیاد پرستی

کا طعنہ دینے والے خود کس قدر متشدد' انتہا پسند' مذہبی جنونی ہیں کہ اپنے چند عقائد کی بنا پر دنیا کو جنگ میں جھونکنے کے لیے تلے بیٹھے ہیں۔

'حقوق انسانی پر نہیں دہشت گردی پر حملہ؟' کے تحت کہتے ہیں: افغانستان اور عراق میں جنگوں کے دوران بالغ مردوں کے علاوہ بہت سے کم عمر لڑکوں کو گرفتار کر کے گوانتا ناموبے، کیوبا میں واقع ایک امریکی قید خانے میں منتقل کر دیا گیا۔ اس قید خانے میں ۴۰ ملکوں سے تعلق رکھنے والے تقریباً ۵۲۰ افراد کو رکھا گیا ہے۔ انھیں اس قید خانے میں تین سال کا عرصہ گزر گیا ہے' جب کہ نہ تو ان پر باقاعدہ کوئی الزام عائد کیا گیا ہے اور نہ انھیں قانونی مشاورت حاصل کرنے کا موقع ہی دیا گیا ہے۔ کئی امریکی اہل کاروں نے تصدیق کی ہے کہ ان قیدیوں پر جسمانی تشدد بھی کیا جا رہا ہے (ص ۱۱۶)۔ پینٹاگون کے ایک اہل کار نے کہا کہ ''قید کرتے ہوئے عمر کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا'' (ص ۱۱۷)۔ جو فوج عراق میں لاکھوں دودھ پیتے بچوں کی فخریہ قاتل ہو' اس کے لیے بالغ و نابالغ کی تمیز چہ معنی دارد!

ایٹمی ہتھیاروں سے متعلق باب میں سابق امریکی صدر فرماتے ہیں: اس وقت دنیا بھر میں تقریباً ۳۰ ہزار ایٹم بم موجود ہیں جن میں سے ۱۲ ہزار ایٹم بم امریکا کے پاس ہیں۔ روس کے پاس ۱۶ ہزار' چین کے پاس ۴۰۰، فرانس کے پاس ۳۵۰، اسرائیل کے پاس ۲۰۰، برطانیہ کے پاس ۱۸۵ اور ہندستان اور پاکستان کے پاس ۴۰' ۴۰ ایٹم بم ہیں...... امریکا ایٹمی عدم پھیلاؤ کے تمام معاہدوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور ایٹمی اسلحے کے عالم گیر پھیلاؤ کا سب سے بڑا مجرم بن چکا ہے (ص ۱۲۹)۔ ایسا 'مجرم ملک' جب عالمی لیڈر بن جائے تو دنیا میں امن و آشتی کیسے قائم ہو سکتی ہے؟ اللہ کا قانون یہ ہے کہ ایسی قوم اپنے انجام ہلاکت سے نہیں بچ سکتی۔ ہمیں ان سے مرعوب ہونے کے بجائے اپنے قومی کردار کی تشکیل کرنی چاہیے اور ہر قسم کے خوف سے قوم کو بچانا چاہیے۔

ایک باب 'امریکا کی ماحولیات دشمنی' ہے۔ اس ضمن میں کارٹر ہمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس وقت امریکا دنیا میں سب سے زیادہ ماحولیاتی آلودگی پھیلانے والا ملک ہے۔ ہماری حکومت کی طرف سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے سے انکار عالمی ماحول کے تحفظ کے تاریخی وعدوں سے انحراف کے سلسلے کی محض ایک اور المناک کڑی ہے۔ خداوند کی دنیا کا تحفظ ہماری ایک

ذاتی اور سیاسی واخلاقی ذمہ داری ہے۔(ص۱۶۴)

یہ امریکی معاشرے کا ایک آئینہ ہے۔ یہ ایک دل خراش حقیقت ہے کہ کوئی بھی فرد چاہے وہ سابق امریکی صدر ہی کیوں نہ ہو' امریکا کی بنیادی سرمایہ دارانہ، استعماری پالیسیوں میں تبدیلی نہیں لاسکتا۔ اس پہلو سے خود صدر کارٹر کے عہد حکومت کا ریکارڈ بھی بہت اچھا نہیں ہے۔ تاہم' ان کا جرأت مندانہ اقدام ہے کہ انھوں نے ٹھوس حقائق کو بنیاد بنا کر امریکا کی داخلہ وخارجہ پالیسیوں پر تنقید کی ہے۔ یوں تو امریکی دانش ور نوم چومسکی وغیرہ بھی اس طرح کے سوالات پیش کر کے امریکی پالیسی سازوں کو متوجہ کرتے رہتے ہیں' لیکن جمی کارٹر چونکہ صدارت عظمیٰ تک پہنچے ہیں' لہٰذا ان کی بات ایک خاص وزن رکھتی ہے۔ کتاب چونکا دینے والے حقائق سے پُر ہے۔ اس میں اعدادوشمار کی زبان میں بھی اور استدلالی واستقرائی ہر پہلو سے امریکا کی متعدد پالیسیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

امریکی حکمرانوں' سرمایہ داروں' نام نہاد جمہوریت پسندوں اور دیگر 'پردہ نشینوں' کے چہرے سے جب نقاب اترتا ہے تو ان کا چہرہ انتہائی بھیانک نظر آتا ہے۔ کروڑوں لوگوں کے خون ناحق سے ان کا دامن داغ دار ہے۔ قتل وغارت گری میں بیرون امریکا واندرون امریکا کا ریکارڈ ساری دنیا سے 'شان دار' ہے۔ عصمت فروشی، زنا بالجبر، ہم جنس پرستی، اسقاط حمل وطلاقوں کی شرح کے اعتبار سے بھی 'اولیت' کا شرف انھیں حاصل ہے۔ قید خانوں کی وسعت' سزاے موت کا خبط اور نابالغ بچوں تک کو اس کی بھینٹ چڑھانے میں یہ 'مثالی کردار' کے مالک ہیں۔ عالمی انسانی حقوق و ماحولیات کی پامالی کے جرائم میں بھی بقول کارٹر امریکی پالیسی ساز انسانیت کے سب سے بڑے مجرم ہیں۔ عراق وافغانستان سے گوانتانامو تک جبروقتل' اور انسانیت کی تحقیر وتذلیل بھی ان کے ضمیر کو بیدار نہیں کرتی۔ ان ہوش ربا حقائق سے جمی کارٹر نے دنیا کے سامنے امریکی پالیسی سازوں کا حقیقی تعارف کروایا ہے۔ کتاب تیسری دنیا کے دانش وروں کی اُس سوچ کی تصدیق کرتی ہے جو وہ امریکی استعمار کے متعلق بیان کرتے آئے ہیں۔ 'مذہبی جنونیت' کا واویلا کر کے مسلم دنیا پر یلغار کرنے والے اپنے جنون کی خاطر لاکھوں انسانوں کی جانوں سے کھیلتے دکھائی دیتے ہیں۔

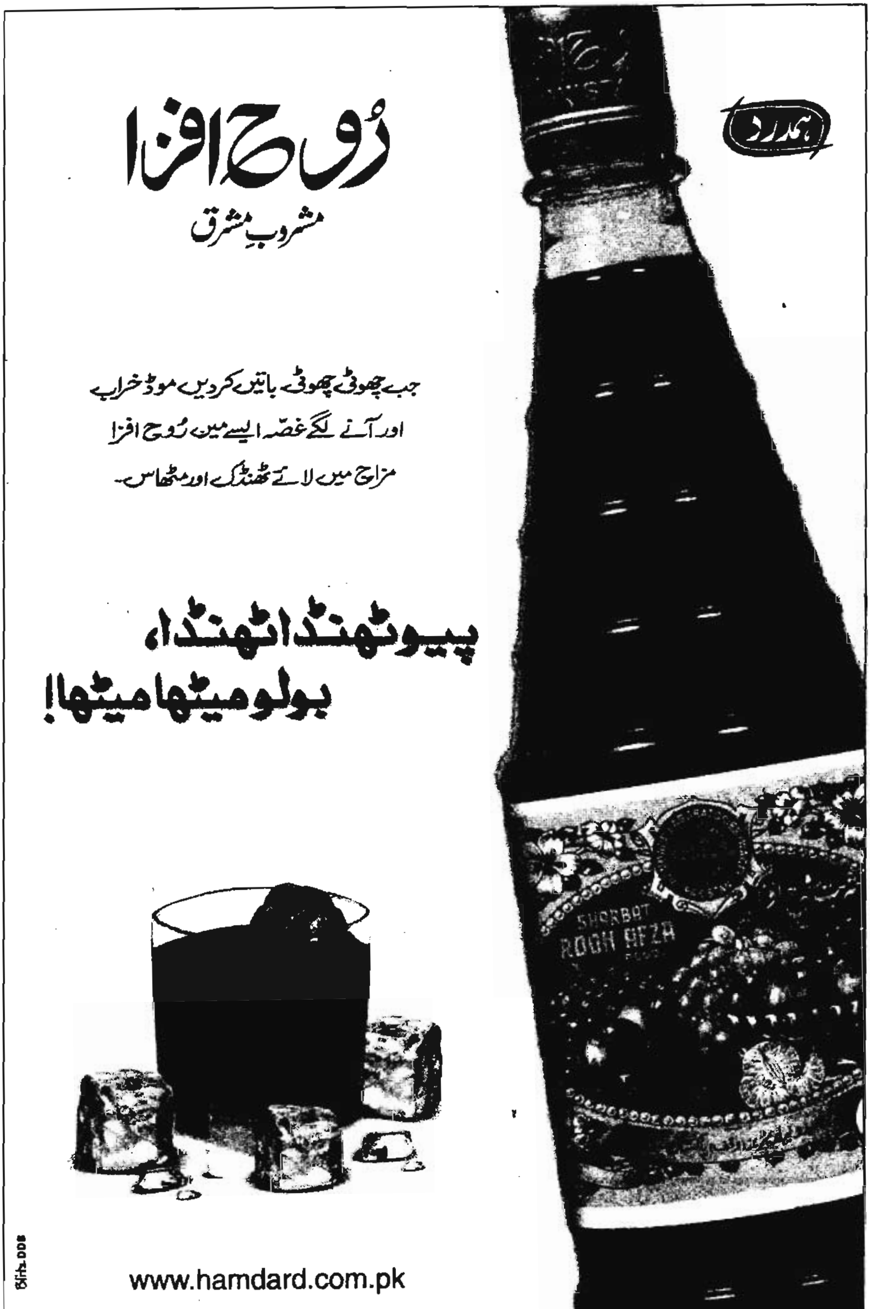
امریکی معاشرے میں جن اخلاقی، روحانی اور مثبت معاشرتی قدروں کو پامال کیا جا رہا ہے

اس کے خلاف یہ ایک نوحہ اور ایک صداے احتجاج ہے۔ امریکی معاشرہ' ابراہام لنکن کا دیس اور اقوام متحدہ کو اپنے عظیم شہر میں سمونے والا ملک بہت سی مثبت اقدار بھی رکھتا ہے۔ آزادی اظہار وہاں کی روایت ہے جو اگرچہ اب مختلف قوانین کے تحت پہلے جیسی توانائی سے محروم ہو چکی ہے' تاہم غنیمت ہے کہ کارٹر جیسے لوگ اپنا مقدمہ اپنے عوام کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔

اس تجزیے سے امریکا کی مرعوبیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس عفریت کا خوف نہیں رہتا اور اس کی انسانیت کش پالیسیوں کے خلاف احتجاج کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ تاہم' اس کے پاس ایک مہیب جنگی مشینری ہے جس کے بل پر اس کا نظام جبر آخری ہچکیوں کے باوجود اپنا دبدبہ رکھے ہوئے ہے۔ اخلاقی اقدار کے فقدان، آمریت کی حوصلہ افزائی اور ہر ظالم کی سرپرستی کرنے کے سبب یہ نظامِ ظلم ختم ہونے کو ہے۔ انسانیت کا ضمیر بیدار ہو رہا ہے۔ عراق پر جنگی یلغار سے قبل ایک مثالی عالمی احتجاج نے بتا دیا ہے کہ انسانیت ظلم کو برداشت نہیں کر سکتی! (جمی کارٹر کی کتاب کے اقتباسات اس کے ترجمے امریکا کا اخلاقی بحران' محمد احسن بٹ' دارالشعور لاہور سے لیے گئے ہیں۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ ان نعمتوں کو وہ ان کے پاس اُس وقت تک برقرار رکھتا ہے' جب تک وہ مسلمانوں کی حاجتیں پوری کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اُکتا نہ جائیں۔ جب وہ اُکتا جائیں تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو دوسروں کی طرف منتقل کردیتا ہے۔ (طبرانی)

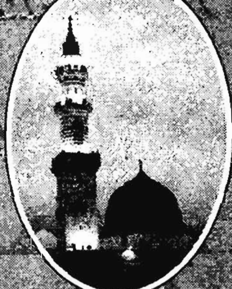


رُوح افزا
مشروبِ مشرق
ہمدرد
جب چھوٹی چھوٹی باتیں کردیں موڈ خراب
اور آنے لگے غصّہ ایسے میں رُوح افزا
مزاج میں لائے ٹھنڈک اور مٹھاس۔
پیو ٹھنڈا ٹھنڈا،
بولو میٹھا میٹھا!
SHARBAT
ROOH AFZA
www.hamdard.com.pk

اے مدینے کے زائر! خدا کے لئے داستان سفر مجھ کو یوں مت سنا
دل تڑپ جائے گا، بات بڑھ جائے گی، میرے محتاط آنسو چھلک جائیں گے
ان کی چشم کرم کو ہے اس کی خبر کس مسافر کو ہے کتنا شوق سفر
ہم کو اقبال جب بھی اجازت ملی، ہم بھی آقا ﷺ کے دربار تک جائیں گے



حج و عمرہ



پاک سرزمین سے
حرمین شریفین تک
تمام خدمات کے
سپیشلسٹ

کنفرم حج کے لئے نہ قرعہ اندازی، نہ انتظار ______ نہ قطار

اکانومی پیکج 1,00,000/-
اکانومی پلس پیکج 1,30,000/-

☆ دبئی ٹرانزٹ اور وزٹ ویزہ کیلئے بھی رابطہ کریں

☆ دنیا کے کسی بھی ملک میں سفر سے پہلے آپ کا ہم سے رابطہ آپ کو وقت اور سرمائے کے ضیاع سے محفوظ رکھ سکتا ہے

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اپنا سیٹ اپ

چیف ایگزیکٹو:
محمد ارشد جاوید

ہم اپنے زائرین کو ٹھیکیداروں کے سپرد نہیں کرتے

قرطبہ الجدید ٹریولز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

لائسنس نمبر: 3242

2۔ گراؤنڈ فلور، کوئنز سنٹر، 33۔ کوئنز روڈ (نزد مزنگ چونگی)، لاہور
فون: 042 - 7520730-31-32 فیکس: 042 - 7520729
Email: info@qurtuba.org Url: www.qurtuba.org

لیبیا سے ٹمبکٹو

عبدالغفار عزیز

اس سال ۱۲ ربیع الاول کے موقع پر دنیا بھر میں پھیلے لیبیا کے سفارت خانوں نے سیکڑوں افراد اداروں اور تنظیموں کو لیبیا کے شہر طرابلس (ٹریپولی) میں سیرت رسول اعظمؐ کانفرنس میں مدعو کیا۔ ڈنمارک میں شائع ہونے والے توہین آمیز خاکوں کے تناظر میں اس کانفرنس کی ایک خاص اہمیت تھی۔ سولاطینی امریکا سے لے کر ملایشیا' انڈونیشیا تک اور یورپی ممالک سے لے کر بنگلہ دیش و مالدیپ تک ہر جگہ سے سیکڑوں وفود لپکے چلے آئے تھے۔ دنیا بھر کی طرح پاکستان سے بھی ۳۶ ذمہ دار افراد اس سیرت کانفرنس میں شریک تھے' جن میں پاکستان سے تقریباً سب دینی جماعتوں اور دینی مدارس کے مرکزی ذمہ داران و نمایندگان شامل تھے۔ ارکان پارلیمنٹ میں سے بھی مولانا عبدالمالک' مولانا عبدالغفور حیدری' حافظ حسین احمد اور مولانا سمیع الحق موجود تھے۔ پروفیسر ساجد میر کی نمایندگی عبدالغفور راشد کر رہے تھے' جب کہ جمعیت علماے پاکستان کی نمایندگی صاحبزادہ ناصر جمیل ہاشمی نے کی۔

طرابلس میں کانفرنس کے دو ابتدائی سیشن ہی ہوئے تھے کہ اعلان کیا گیا کہ صدر قذافی صاحب (جنھیں وہاں ہر چھوٹا بڑا الاخ القائد/قائد بھائی کے لقب سے پکارتا ہے) سمیت بہت سے ذمہ داران افریقی ممالک کے دورے پر ہیں وہ ۱۲ ربیع الاول کو افریقی ملک مالی کے قدیم ثقافتی مرکز' ٹمبکٹو پہنچیں گے۔ اس لیے کانفرنس کے سب شرکا بھی وہیں چلیں گے اور پھر چارٹرڈ پروازوں کا سلسلہ اس صحرا گزیدہ شہر کی طرف چل نکلا۔ بحر متوسط کے کنارے واقع شہر طرابلس سے

ٹمبکٹو جنوب مغرب کی طرف واقع ہے اور وہاں پہنچنے کے لیے جہاز کو ساڑھے تین گھنٹے درکار تھے۔ گویا یہ مسافت اتنی تھی جتنی اسلام آباد سے دبئی کی ہے۔ عصر کے کچھ بعد طرابلس سے روانہ ہوئے۔ کچھ ہی دیر بعد جہاز کی کھڑکی سے نیچے دیکھا تو سفیدی مائل سرخ ریت کا سمندر، بارھویں کے چاند کی کرنیں آغوش میں سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پاکستان اور ٹمبکٹو کی توقیت (مقامی وقت) میں پانچ گھنٹے کا فرق ہے۔ ہم عشاء کے وقت وہاں پہنچے تب پاکستان میں رات بھیگ رہی تھی۔ ہم ایرپورٹ کی مختصر سی عمارت سے بغیر کسی کارروائی کے باہر آ گئے، گاڑیاں آرہی تھیں اور مسافروں کو سمیٹتے ہوئے ایرپورٹ سے شہر کا قلب چیرتی شہر کی اکلوتی پختہ سڑک پر روانہ ہو رہی تھیں۔ چند کلومیٹر چلنے کے بعد ایک کیمپ میں پڑاؤ ڈالا گیا، تمبو قناتیں لگے، اس کیمپ میں ناہموار لیکن نرم ریت پر پلاسٹک کی چٹائیاں بچھی تھیں۔ کیمپ کے باہر قذافی صاحب کی قدآدم تصاویر سجی تھیں۔ بڑے بڑے بورڈوں پر براعظم افریقہ کا نقشہ بنا تھا جو مکمل طور پر سیاہ تھا، اُوپر بحرمتوسط کے کنارے واقع لیبیا میں سیاہی مائل سبز رنگ تھا جہاں سے ایک سورج طلوع ہوتا دکھائی دیتا تھا، گویا اس سورج نے پورے افریقہ کی سیاہی کو روشنی میں بدلنا ہے۔

کیمپ میں نمازوں کی ادایگی اور اجتماعی کھانے کے بعد کہ جس میں عرب روایت کے مطابق ایک ایک بڑے پیالے میں چار چار، پانچ پانچ افراد کھانا کھا رہے تھے، مختلف ممالک کے قافلوں کو ان کی رہایش گاہوں پر لے جایا جانے لگا۔ سب حیرت زدہ تھے کہ عازمِ سفر ہوتے ہوئے جس جگہ کا خواب بھی نہ دیکھا تھا، دنیا بھر سے آئے قافلے وہاں جمع ہو رہے تھے۔ یہاں اپریل میں بھی درجہ حرارت ۴۷ تک پہنچ جاتا ہے۔ رات کے وقت ۲۷ تھا، ہواؤں کے جھونکے انتہائی خوش گوار لگتے، لیکن گاہے تیز جھونکا ہوتا تو ریت کو بھی ساتھ شامل سفر کر لیتا۔ حافظ حسین احمد پکارے: ٹمبکٹو تو 'تم بھگتو' میں بدل چکا ہے۔

رہایش گاہ لے جایا گیا تو وہ ایک شکستہ حویلی تھی۔ فوم کے گدے قالینوں پر ڈالے گئے تھے۔ اگلے روز معلوم ہوا کہ یہ اصل میں سعودی عرب کے ایک رفاہی ادارے مؤسسۃ الحرمین کا دفتر تھا جو ٹمبکٹو اور گردونواح میں مفلوک الحال لوگوں کی بہبود کے لیے کام کر رہا تھا۔ نائن الیون کے بعد دہشت گردی کے خلاف امریکا کی جنگ میں، متعدد رفاہی تنظیموں پر دہشت گردوں کی مدد کے

الزام میں پابندی لگائی گئی تو اسے بھی تحلیل کر دیا گیا۔ دنیا بھر میں اس کے دفاتر اُجاڑ دیے گئے اور ان کے جاری رفاہی منصوبے روک دیے گئے۔ یہ دفتر بھی اسی آندھی کی نذر ہوا تھا اور اب اس حویلی کے ایک شکستہ کمرے میں ۱۶/۱۷ سالہ نوجوان چوکیدار 'مولود' کے علاوہ کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں ہے۔ البتہ وسیع و عریض دالان میں نیم اور جنگلی کیکر کے خودرو درخت تروتازہ تھے۔ لق و دق صحرا میں قدرت کا شاہکار اور اُجڑے دیار میں اُمید کی کرن۔

اس حویلی میں سب بزرگانِ دین اور خادمینِ قوم برابر تھے۔ نوجوان علما نے بزرگوں کی تکریم واحترام یہاں بھی ملحوظ خاطر رکھی لیکن بالآخر سب ہی یکساں کیفیات سے دوچار تھے۔ نصف شب کے قریب یہاں پہنچے تھے، پہنچتے ہی نیند میں ڈوب گئے۔ حالانکہ کئی کمروں میں پنکھا بھی نہیں تھا۔ صبح دم افریقی بدوانہ آواز میں اذانِ فجر، روحانیت سے معمور لمحوں کو منفرد سحر بخشنے لگی۔ حویلی سے نکل کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ آواز کس طرف سے آرہی ہے، شاید مسجد قریب ہو۔ اچانک نظر پڑی کہ حویلی سے عین متصل مسجد کی عمارت ہے اور اس کی چھت پر ایک ادھیڑ عمر افریقی بدو، اپنے مخصوص لباس میں ملبوس، اپنے پورے جسم کو دائیں بائیں زور زور سے جھلاتے ہوئے، کڑاکے دار آواز میں اللہ اکبر کی صدائیں ہفت آسمان تک پہنچا رہا ہے۔

مسجد کی عمارت پختہ تھی، ہال کمرے میں اینٹوں کا فرش تھا، جس کی درزوں سے ریت نکل نکل کر چٹائیوں تک بھی پہنچی ہوئی تھی۔ باہر صحن کچا تھا، یعنی اُونچی کرسی کے صحن میں صرف ریت بھری ہوئی تھی، اُوپر چٹائیاں بچھی تھیں۔ نماز فجر میں آس پڑوس سے ۲۰، ۲۵ نمازی آگئے تھے۔ سب لوگ گھروں سے وضو کر کے آرہے تھے۔ مسجد میں وضوخانے کا انتظام نہیں تھا۔ مجھے وضو کرنا تھا، ایک نمازی بھاگ کر اپنے گھر سے پلاسٹک کے جگ میں پانی لے آیا اور مسجد کے دروازے کی سیڑھیوں میں رکھتے ہوئے اشارہ کیا: ''یہاں بیٹھ کر وضو کرلو''۔

ٹمبکٹو کے باسیوں کا لباس بھی پورے صحرائے اعظم میں پھیلے مختلف قبائل کے لباس سے ہم آہنگ ہے۔ گہرے رنگ کے سوتی کپڑے کا لمبا چولا، اس کے اوپر ایک کوٹ نما کھلی چادر، اور سر پر بڑا پگڑ، جس سے صرف سر ہی نہیں گردن اور منہ کو بھی ڈھانپا جاتا ہے۔ کئی لوگوں نے اکٹھے دو دو تین تین پگڑ باندھے ہوئے تھے۔ کچھ قبائل اپنے لیے مخصوص رنگوں کے پگڑوں کا اہتمام کرتے

ہیں' مثلاً پورا قبیلہ سیاہ' سفید اور نیلا پگڑ اُوپر تلے باندھے ہوئے ہوگا۔ اس پگڑ کے اور بھی بہت فوائد ہوں گے لیکن چلچلاتی دھوپ اور کھلی فضا میں ہر دم تیرتی ریت' جو نتھنوں اور حلق میں جا بسیرا کرتی ہے' سے بچنے کی صرف یہی سبیل ہے۔ کچھ قبائل میں مرد حضرات اپنے خیموں اور اپنے گھروں میں بھی دوسروں کے سامنے چہرہ کھولنا معیوب سمجھتے ہیں۔ بعض لمبے قد اور اُونچے اُونچے پگڑ والوں کے سامنے ایک دراز قد انسان بھی پست قد محسوس ہوتا ہے۔

شام کے وقت ایک کھلے میدان میں جلسۂ عام تھا۔ قذافی صاحب کے علاوہ پانچ پڑوسی ملکوں کے سربراہانِ مملکت بھی شامل تھے۔ خود مالی کے سربراہ اور کچھ عرصہ قبل فوجی انقلاب کے ذریعے برسرِ اقتدار آنے والے موریتانیا کے صدر بھی ان میں شامل تھے۔ قذافی صاحب نے پہلے ان سب سربراہوں' مختلف ملکوں سے آئے مہمانوں اور صحرائے اعظم کے مختلف قبائل کے سرداروں سمیت تقریباً ۵۰ ہزار کے مجمعے کو مغرب کی نماز باجماعت پڑھائی' پھر تفصیلی خطاب کیا اور عشاء کی جماعت کروا کے پروگرام کا اختتام کیا۔ ایک شہر میں اچانک دنیا بھر سے چنیدہ مہمانوں کو لا بسانے سے شہر اور کانفرنس کی انتظامیہ کو جو مشکلات درپیش تھیں' ان کا ایک مظہر یہ تھا کہ پاکستان سے جانے والا پورا وفد صدر قذافی کے اس اجتماعِ عام میں شریک نہ ہوسکا اور اپنے ساتھ موجود لیبین نمایندے کے ہمراہ اپنی حویلی ہی میں شرکت کے لیے تیار بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ اجتماعِ عام کے بعد رات کے کھانے کا وقفہ تھا اور رات تقریباً ۱۲ بجے ایک وسیع و عریض پنڈال میں ایک اور کنونشن کا آغاز ہوگیا۔ صحرائے اعظم کے مختلف سردارانِ قبائل نے خطابات کیے جن میں سے ہر ایک نے اپنے لیے اپنی پسند کے القاب رکھے ہوئے تھے' کچھ کا نام سلطان السلاطین' یعنی شہنشاہ تھا اور کچھ کا شیخ المشائخ' یعنی پیرانِ پیر۔

خیر سگالی کے کلمات اور مختلف جذباتی' لیکن عربی ادب کے حسین مرصع قصائد کے بعد قذافی صاحب کا خطاب شروع ہوا۔ انھوں نے کسی بھی طرح کے تمہیدی کلمات کے بغیر براہِ راست گفتگو شروع کردی۔ صحرائے اعظم کی عظمت و تاریخ کا ذکر کیا۔ ٹمبکٹو کے تہذیبی کردار کو واضح کیا۔ دریائے نائیجر (نائیجریا نہیں) سے ٹمبکٹو تک آنے والی نہر کا ذکر کیا جو اب ریت سے پاٹ دی گئی ہے اور تالیوں کی گونج میں اعلان کیا کہ آپ کے لیبین بھائیوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ یہ نہر دوبارہ

کھود یں گے اور ٹمبکٹو دوبارہ ایک شان دار و خوب صورت نخلستان میں بدل جائے گا۔

واضح رہے کہ ٹمبکٹو دریاے نائیجر سے تقریباً ۱۵ کلومیٹر پر واقع ہے۔ دریاے نائیجر صحراے اعظم کے انتہائی مغربی کنارے سے جنوب مشرق کی طرف بہتا ہوا متعدد افریقی ملکوں سے گزرتا اور صحرا کو گلزار میں بدلتا ہے۔ دریاے نائیجر سے ایک نہر ٹمبکٹو تک بہتی تھی جو یہاں کے شہریوں کو ہریالی، شادابی و خوش حالی بخشتی تھی۔ یہ نہر بند کر دی گئی اور وقت کا پہیہ چلنے کے ساتھ ساتھ ٹمبکٹو ریت میں ڈوبتا چلا گیا۔ شادابی کو صحرا میں بدلنے کا یہ کارِ خیر فرانسیسی استعمار کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا تھا۔ اگرچہ استعمار کا مطلب 'تعمیر کی خاطر' بیان کیا جاتا ہے لیکن اس علمی و تہذیبی جھرنے کے سوتے خشک کرنے کا سہرا فرانس ہی نے اپنے سر پر سجایا۔

فرانس کو اس شہر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ فرانس کے بعض جنگ جو اور مہم جو ٹمبکٹو کے رازوں سے پردہ اُٹھانے کی کوششوں میں جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے، لیکن کوئی وہاں تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ پورا شہر مسلم آبادی پر مشتمل تھا۔ بالآخر ۱۸۲۸ء میں ایک فرانسیسی مہم جو 'رینیہ کاییہ' جان جوکھوں میں ڈال کر ٹمبکٹو پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہاں اس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے معززین شہر میں سے ایک کے گھر پناہ لی اور تقریباً دو ہفتے وہاں رہ کر وہاں پہنچنے کا آسان تر راستہ تلاش کیا اور فوج کشی کے لیے دیگر ضروری معلومات جمع کیں۔

فرانسیسی اس جاسوس کو اپنا قومی ہیرو قرار دیتے ہیں۔ فرانسیسی صدر فرانسواں میتراں جب ٹمبکٹو کے دورے پر آئے تو انھوں نے احترام و عقیدت سے اس گھر کا دورہ کیا جہاں 'رینیہ کاییہ' مہمان کے روپ میں ٹھیرا تھا اور اس شہر تک پہنچنے کے لیے فرانسیسی افواج کی رہنمائی کی جسے صحراے اعظم کا نگینہ کہا جاتا تھا۔

صدر معمر القذافی اسی ٹمبکٹو میں صحراے اعظم کے قبائل کو ایک ہوجانے کی دعوت دیتے ہوئے کہہ رہے تھے: ''ہم سب اس ایک گھر کے باسی ہیں، ہمارا باہمی تعلق اہلِ خانہ کے باہمی تعلق کی طرح مضبوط ہونا چاہیے اور یہ جو مختلف ممالک کی سرحدوں کے ذریعے ایک ایک قبیلے کو ۱۰،۱۰ ٹکڑیوں میں بدل دیا گیا ہے ہمیں اس استعماری تقسیم کو ختم کر دینا چاہیے''۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہم نے اور ہمارے کئی پڑوسی ممالک نے فیصلہ کیا ہے کہ آیندہ صحراے اعظم کے ایک قبیلے

کے فرد کو اپنے قبیلے کے دوسرے افراد سے ملنے کے لیے' کسی پاسپورٹ یا ویزے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ استعماری ممالک اب بھی ہمارے صحرا پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں' لیکن ہم انھیں خبردار کرتے ہیں کہ اگر انھوں نے ہمارے صحرا کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا تو صحراے اعظم کا ہر ذرہ ان کے لیے انگارہ بن جائے گا' ہر فرد ایک خونخوار شیر بن جائے گا اور صحراؤں کی تپتی ہوائیں ان کے لیے آگ کی لپٹیں ثابت ہوں گی''۔

فجر سے پہلے تقریباً تین بجے یہ خطاب اور تقریب اختتام کو پہنچی اور پھر سب مہمان پنڈلیوں تک ریت میں ڈوبتے ہوئے' شہر کی اکلوتی سڑک اور وہاں سے اپنی اپنی رہایش گاہوں کی جانب چل دیے۔ ہمیں نماز فجر کے بعد دوبارہ گاڑیوں میں بٹھا کر ایرپورٹ لے جایا گیا' جہاں سے طرابلس جانے کے لیے چارٹرڈ جہاز آنے کی نوید سنائی گئی تھی' لیکن یہ ایک بہت جاں گسل انتظار پر مشتمل' طویل دن تھا۔ تمام غیر ملکی مہمان جن میں کئی حکومتی ذمہ داران اور ترکی کے ایک نائب وزیر بھی تھے' دن بھر جہاز کے انتظار میں ایرپورٹ پر بیٹھے رہے۔ سربراہانِ مملکت کے جہاز آئے بھی اور چلے بھی گئے لیکن مہمانوں کے لیے دو جہاز تاخیر کا وقت آگے بڑھاتے بڑھاتے رات ڈیڑھ بجے رن وے پر اترے۔ اس دوران طعام و آرام' نشست و برخواست کے حوالے سے کئی شکایات کا تبادلہ بھی ہوا اور اس سارے اجتماع' اوقات اور وسائل سے زیادہ بہتر استفادے کے امکانات کے بارے میں بھی تبادلہ خیال ہوا۔ صبح اڑھائی بجے کے قریب ہمارے جہاز نے ٹمبکٹو کی سرزمین کو خیرباد کہتے ہوئے زقند بھری اور صبح ۹ بجے کے لگ بھگ واپس طرابلس پہنچے۔

ٹمبکٹو قیام کے دوران وہاں کے قبائل اور ان کی روایات کے بارے میں کئی بہت دل چسپ معلومات بھی حاصل ہوئیں' مثلاً ایک ۱۵ سالہ بچے سے تعارف ہوا تو وہ بہت فصیح عربی میں گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ ہمارے قبیلے کا نام آل عثمان ہے اور ہماری تاریخ کے بارے میں روایت ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ایک فتنہ عظیم اُٹھ کھڑا ہوا تو ہمارے آبا و اجداد وہاں سے ہجرت کر کے شمالی افریقہ میں آ بسے اور پھر پھیلتے پھیلتے صحراے اعظم کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ ہمارا قبیلہ بہت صلح جو ہے' لیکن صحرائی روایات کے مطابق قبیلے کا ہر فرد' اپنی تلوار بھی اپنی زینت و لباس کا حصہ سمجھتا ہے۔ ایک سرخی مائل گہری اور چمکتی سیاہ جلد اور

غیر معمولی لمبے قد والے صاحب سے تعارف ہوا' کہنے لگے کہ صحرا اپنے باسیوں کو کبھی بھوکا نہیں رہنے دیتا۔ مجھے اگر کبھی اپنی اُونٹنی کے ہمراہ تنہا بھی یہ پورا صحرا عبور کرنا پڑے تو میں کسی آزمایش کا شکار ہوئے بغیر عبور کرسکتا ہوں۔ پڑوس میں واقع مسجد کے امام محمد ابراہیم سے تعارف ہوا' کہنے لگے: ٹمبکٹو کے اکثر لوگ دریاے نائیجر کے کنارے واقع اپنی زمینوں میں کھیتی باڑی سے گزارا کرتے ہیں' ویسے یہ شہر ایک اہم تجارتی مرکز بھی ہے۔ ایک زمانہ تھا یہاں نمک سونے سے بھی زیادہ مہنگا تھا لیکن اب یہاں کی معدنی ثروت سے استفادے کی راہیں مسدود کر دی گئی ہیں۔ وہ کہنے لگے ہم پاکستان سے آنے والی تبلیغی جماعتوں (جن کی آمد نائن الیون کے بعد تقریباً معدوم ہو چکی ہے) کے ذریعے آگاہ ہیں۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا نام بھی میرے لیے بہت آشنا و محترم ہے اور میں ان کی کتب پڑھنا چاہتا ہوں۔

ہم ۱۲ اپریل کی صبح واپس طرابلس پہنچے تھے' جب کہ ۱۳ تاریخ کو وہاں سے تہران کی القدس کانفرنس میں شرکت کے لیے جانا تھا۔ اس لیے پاکستان آنے کے بجاے سیدھا تہران چلے گئے۔ لیبیا میں تقریباً ڈیڑھ دن قیام کے دوران سیرت کانفرنس کے دو سیشنوں میں شرکت کے علاوہ خود لیبیا کی مختلف پالیسیوں کے بارے میں بھی استفسارات زیر بحث آئے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر کے حوالے سے شروع کی جانے والی بحث میں لیبیا کا نام بھی لیا جاتا رہا ہے کہ اس نے پاکستان کے بارے میں وعدہ معاف گواہ کا کردار ادا کیا ہے۔ لیبین اعلیٰ ذمہ داران اس الزام کی مکمل نفی کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ عالمی استعمار اس طرح ایک تیر سے کئی شکار کرنا چاہتا ہے۔ ایک تو ڈاکٹر عبدالقدیر اور پاکستان کے خلاف فردِ جرم کی تکمیل' دوسرا خود لیبیا پر الزامات کی تصدیق کہ تم بھی بالفعل ایٹمی ہتھیار بنا رہے ہو' اور تیسرا پاکستان و لیبیا کے درمیان غلط فہمیاں اور اختلافات پیدا کرنا۔

لیبیا پر ان الزامات اور اس کی طرف سے کی جانے والی نفی کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ ابھی بہت سے اہم رازوں سے پردہ اُٹھنا باقی ہے۔ ان میں سے ایک راز یا معمہ یہ بھی ہے کہ صدر قذافی کا لہجہ اور عالمی استعمار کے خلاف ان کی گفتگو تو اب بھی سابقہ شان رکھتی تھی۔ لیکن عین انھی دنوں کونڈولیزا رائس نے اعلان کیا کہ لیبیا کے ساتھ سفارتی تعلقات مکمل بحال کیے جارہے ہیں۔ وہ لیبیا کے ساتھ دشمنی کے بجاے دوستی کے نئے عہد کی نوید بھی دے رہی تھیں اور

دعویٰ کر رہی تھیں کہ لیبیا نے 'دہشت گرد' تنظیموں کی مدد بند کر دی ہے۔

یہودی روزنامہ یدیعوت احرونوت نے ۱۶ مئی کے شمارے میں لیبیا کی اس مذکورہ تبدیلی کو بنیادی طور پر برطانوی خفیہ ایجنسی ایم آئی-۶ کا کارنامہ قرار دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ برطانیہ میں تعلیم پانے والے صدر قذافی کے صاحبزادے نے اس ضمن میں بنیادی کردار ادا کیا ہے' لیکن پاکستان اور اہلِ پاکستان کے لیے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ جب جنرل پرویز مشرف خود ملک و قوم کے خلاف وعدہ معاف گواہ بن جائیں اور کہیں کہ ''ڈاکٹر عبدالقدیر ان کی اجازت کے بغیر خفیہ پروازوں سے ایران جاتے تھے'' تو کیا یہ سوال بے معنی نہیں ہو جاتا کہ لیبیا اور ایران کے ایٹمی پروگراموں کے حوالے سے پاکستان کو کس نے کٹہرے میں کھڑا کیا ہے!

اخبارِ اُمت

صومالیہ: اسلامی قوتوں کی فتح

حافظ محمد عبداللہ

گذشتہ ماہ صومالیہ کی شرعی عدالتوں کے اتحاد نے امریکا نواز جنگجوؤں کو ان کے گڑھ جوہر اور مھدیٰ سے نکال باہر کیا اور اس طرح ۱۵ برس سے جاری خانہ جنگی اپنے اختتام کو پہنچی۔

صومالیہ براعظم افریقہ کے عین مشرق میں انتہائی اسٹرے ٹیجک اہمیت کا حامل ملک ہے۔ خلیجِ عدن اور نہر سویز کے ذریعے بحیرۂ احمر کو بحرِ ہند سے ملانے والی عظیم بحری تجارتی گزرگاہ پر واقع صومالیہ ۱۰۰ فی صد راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ اس کے دیگر ہمسایوں میں ایتھوپیا' کینیا اور جیبوتی شامل ہیں۔ اپنے منفرد محلِ وقوع کی بنا پر تاریخ کے مختلف اَدوار میں استعماری طاقتوں کا اکھاڑا بنا رہا۔ اس کے ایک حصّے پر اگر برطانیہ قابض تھا تو دوسرے پر اطالیہ براجمان۔ تیسرا حصّہ جیبوتی فرانسیسی استعمار کی چیرہ دستیوں کا شکار رہا اور اب عرصے سے امریکا للچائی ہوئی نظروں سے سرزمینِ صومالیہ کی طرف دیکھ رہا ہے۔

اس غریب افریقی ملک کو ۱۹۶۰ء میں برطانیہ اور اطالیہ کے پنجۂ استبداد سے رہائی نصیب ہوئی۔ ۱۹۶۱ء میں آئین نافذ ہوا لیکن آٹھ برس ہی گزرے تھے کہ فوجی آمریت کا شکار ہوگیا۔ ۱۹۶۹ء میں ایک خونی انقلاب کے دوران ملک کے صدر علی شرمار کے قتل کر دیے گئے اور جنرل سید برے اقتدار پر قابض ہوگئے۔ سوشلسٹ رجحانات کے حامل جنرل برے پہلے تو روس کے زیرِ اثر رہے اور بعدازاں ایتھوپیا کے خلاف جنگی امداد حاصل کرنے کے لیے امریکی کیمپ میں

جا بیٹھے۔ امریکا جو عرصے سے صومالیہ کے یورینیم' خام لوہے' تیل اور دیگر قیمتی معدنیات پر نظریں جمائے بیٹھا تھا' فوراً مدد پر آمادہ ہوگیا اور چند ڈالروں کی فوجی امداد کے عوض اس نے صومالیہ میں تیل کی تلاش' یورینیم کے ذخائر اور بربیرہ کی مشہور بندرگاہ اور ہوائی اڈے پر تصرف کے حقوق حاصل کرلیے۔

یہیں سے جنرل کے زوال کا آغاز ہوا جو بالآخر فوج کے اندر پھوٹ پڑنے اور خانہ جنگی کا آغاز ہونے پر منتج ہوا' اور ۱۹۹۱ء میں جنرل سید برے کو اقتدار چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنا پڑی۔ اب صومالیہ جنرل فرح عدید اور علی مہدی کی باہم برسرِ پیکار ملیشیا کے رحم و کرم پر تھا۔ ۱۹۹۲ء میں امریکا اپنے ریاستی مفادات کی حفاظت کے لیے خود میدان میں کود پڑا۔ واضح رہے کہ پاک فوج بھی اس کارِخیر میں حصہ لینے کے لیے کیل کانٹے سے لیس صومالیہ میں موجود تھی۔

صومالیہ میں امریکی افواج کے آتے ہی نئے استعمار کے خلاف باقاعدہ عوامی مزاحمت کا آغاز ہوگیا۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۳ء امریکی تاریخ کا سیاہ ترین دن بن کر طلوع ہوا جب صومالی گوریلوں نے ایک امریکی بلیک ہاک ہیلی کاپٹر گرالیا اور امریکی فوجی تفاخر کی علامت ۱۸ مرینز قتل کر کے مقدیشو کی سڑکوں پر گھسیٹے۔ عوامی جذبات کا بروقت اندازہ کرتے ہی امریکا بہادر اپنے خواب اور عزائم ادھورے چھوڑ کر صومالیہ سے بھاگ کھڑا ہوا۔

امریکا کے جاتے ہی خانہ جنگی کو اور بڑھاوا ملا' حتیٰ کہ امریکا مخالف مزاحمت کی نمایاں ترین علامت جنرل فرح عدید بھی ۱۹۹۶ء میں اسی خانہ جنگی کی نذر ہوکر راہیِ ملکِ عدم ہوگئے۔ بڑے کمانڈروں کے ہٹتے ہی ملک مختلف الخیال' مفاد پرست چھوٹے چھوٹے کمانڈروں کے زیرسایہ انتہائی ابتری کی حالت میں خانہ جنگی کا شکار رہا۔ اپنے زیرقبضہ علاقوں میں جگہ جگہ بیریر لگائے رکھنا' عوام کی جابجا تلاشی' ہر گزرگاہ پر بھاری رشوتیں اور امن و امان کی قطعی نایابی' طوائف الملوکی کی عمومی صفات ہوا کرتی ہیں اور یہی سب کچھ مقدیشو کا مقدر ٹھیرا۔ ایک اندازے کے مطابق یہ نام نہاد فوجی کمانڈر' تجار اور عام شہریوں سے سالانہ ۱۰۰ ملین ڈالر بٹورا کرتے تھے۔

صومالیہ میں براہِ راست قبضہ جمانے میں ناکامی کے بعد امریکا نے علاقے کے لیے نئی پالیسی تشکیل دی جس کا مرکزی ہدف عسکری قوت استعمال کیے بغیر صومالیہ کو اپنے زیرتسلط لانا

تھا۔ اس مقصد کے لیے شمالی اتحاد کی طرز پر خانہ جنگی میں مصروف وارلارڈز کا ایک اتحاد تشکیل دیا گیا اور اس اتحاد کو بھرپور مالی معاونت فراہم کی جانے لگی۔ اطلاعات کے مطابق اس فرنٹ کو اب تک براہِ راست ۸۰ ملین ڈالر کی امداد مل چکی تھی۔ جائزہ لیں تو مذکورہ فوجی کمانڈروں کی امریکا نوازی اظہر من الشمس ہے۔ اس اتحاد کے رکنِ رکین عبداللہ احمد عدو سابق فوجی افسر اور واشنگٹن میں صومالی سفیر کی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ یہ کسی بھی نئے حکومتی سیٹ اَپ کے لیے مغرب کے انتہائی پسندیدہ نمایندے قرار دیے جاتے تھے۔ حسین عدید اپنے مقتول والد کے جانشین تھے۔ موصوف امریکی شہریت کے حامل تھے اور انھیں موجودہ عراقی جنگ میں بطور میرنیز امریکی چاکری کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ نیم خودمختار علاقے بونٹی لینڈ کے سربراہ عبداللہ یوسف بھی واشنگٹن کے قریبی اتحادیوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ فرنٹ کے دیگر دو اراکین عبدالنور احمد درمان اور رشید محمد ھوری بھی اپنی امریکا نوازی کی وجہ سے بدنام تھے۔

اکتوبر ۱۹۹۳ء کے واقعے کے بعد اور عراق اور افغانستان میں پھنسے ہونے کی بنا پر امریکا کی اوّلین ترجیح تو یہی تھی کہ براہِ راست فوجی مداخلت سے بچتے ہوئے کسی طرح مذکورہ جنگی کمانڈروں کو صومالی عوام کی گردنوں پر مسلط کیا جاسکے لیکن یہ حکمت عملی عملاً ناکام ہوکر رہ گئی۔

ملک کی ابتر صورت حال کو ریاستی اداروں بالخصوص عدلیہ کی کسی بھی سطح پر عدم موجودگی بھیانک تر بنا رہی تھی۔ اپنوں ہی کی چیرہ دستیوں کا شکار مظلوم عوام اپنے آپ کو بالکل بے دست و پا محسوس کر رہے تھے کہ علما کی جانب سے تشکیل دی جانے والی عدالتوں کی صورت میں انھیں امید و نجات کی ایک صورت دکھائی دی۔

ابتدائی طور پر شرعی عدالت کا قیام ۱۹۹۷ء میں ایک قبائلی جھگڑے کو نبٹانے کی خاطر عمل میں آیا تھا۔ پھر دیکھا دیکھی مقدیشو میں موجود تمام قبائل کے اندر اپنے اپنے قبیلے کے لیے شرعی عدالت کے قیام کا تصور مقبول ہونا شروع ہوا۔ جن علاقوں میں یہ عدالتیں قائم ہوتی گئیں وہاں امن و امان کی صورت حال بتدریج بہتر ہوتی چلی گئی۔ قتل اور لوٹ مار کے واقعات میں نمایاں کمی ہوئی۔ جہاں کہیں اس قسم کی واردات ہوتی قبیلے کے جوانوں پر مشتمل شرعی عدالت کی اپنی فورس عدالت کے احکامات کی تنفیذ کے لیے حرکت میں آجاتی۔

۲۰۰۵ء میں مختلف قبائل میں قائم شرعی عدالتوں پر مشتمل ایک یونین تشکیل پائی۔ ایک نوجوان عالمِ دین شیخ شریف شیخ احمد اس کے سربراہ قرار پائے۔ اتحاد کے نتیجے میں ایک طرف ان عدالتوں کے اثر و نفوذ میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف ان کے فیصلوں میں یک رنگی دکھائی دینے لگی۔

عامۃ الناس میں شرعی عدالتوں کی وقعت اور ان عدالتوں کی سربراہی مجلس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ گذشتہ فروری میں دارالحکومت پر قابض مختلف جنگجوؤں نے ان عدالتوں کے احکامات کی تنفیذ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی تو عامۃ الناس نے ازخود شہر کی تمام بڑی بڑی شاہراہوں پر شرعی عدالتوں کے اتحاد کے حق میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور عوام عدالتی احکامات کی تنفیذ کے لیے مسلح ہو کر سڑکوں پر نکل آئے۔ جنگجو ملیشیاؤں کے ساتھ ایک مسلح تصادم میں طرفین کے ۲۰۰ کے قریب افراد جاں بحق ہوئے لیکن بالآخر شرعی عدالتوں کے اتحاد کو دو ہفتے بیش تر دارالحکومت مقدیشو پر مکمل کنٹرول حاصل ہو گیا۔

گذشتہ ماہ جنگجو ملیشیاؤں کے آخری مضبوط گڑھ جوہر اور مھدی پر قبضے کے بعد اگرچہ شرعی عدالتوں کے اتحاد کو پورے صومالیہ پر کنٹرول حاصل ہو چکا ہے، تاہم نوزائیدہ اسلامی انتظام کو ابھی بہت سے بیرونی و اندرونی چیلنجوں سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ تاحال امریکی رویہ بے حد جارحانہ ہے۔ مقدیشو پر اسلام پسندوں کے قبضے کے فوراً ہی بعد صدر بش نے وہائٹ ہاؤس میں پریس کانفرنس کے دوران واضح کیا کہ وہ صومالیہ کو دہشت گردوں کی محفوظ جنت کبھی نہیں بننے دیں گے۔ غالب گمان یہی ہے کہ امریکا ماضی کی غلطی سے اجتناب کرتے ہوئے اس مرتبہ ایتھوپیا کی پیٹھ تھپتھپائے گا تاکہ وہ صومالیہ پر فوج کشی کرے۔ اس پر اتحاد کے سربراہ شیخ شریف شیخ احمد نے امریکا کو متنبہ کیا کہ صومالیہ افغانستان نہیں ہے اور نہ امریکا ہی موہوم دہشت گردوں کے تعاقب میں سابقہ غلطی کو دہرائے۔

دوسری طرف اسلامی شرعی عدالتوں کے اتحاد میں ابھی تک تمام قبائل کی مؤثر نمایندگی نہیں ہے۔ انھیں کسی بھی ممکنہ بیرونی جارحیت سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی صفوں میں وسعت پیدا کرنی پڑے گی۔ اغلب گمان یہی ہے کہ صومالی عوام برسوں بعد ملنے والے امن کو کسی قیمت پر بھی قربان کرنا پسند نہ کریں گے اور ہر طرح کے اندرونی و بیرونی چیلنجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔

کتاب نما

دروس قرآن، مؤلف: ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی۔ ناشر: ھدی للناس' ۳۴۳-مہران بلاک' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور۔ صفحات حصہ اول (بڑی تقطیع) سورۂ فاتحہ: ۱۲۸۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔ ۲-سورۂ بقرۂ جلداوّل: ۴۴۰/۲۰۰ روپے ۳-جلد دوم: ۳۴۳/۲۰۰ روپے۔ ۴- سورۂ آل عمران: ۳۲۸/۲۲۵ روپے۔ ۵-سورۂ نساء: ۳۸۵/۲۰۰ روپے۔ ۶-سورۂ مائدہ: ۳۱۵/۲۲۵ روپے۔ ۷-سورۂ انعام: ۴۲۲/۲۲۵ روپے۔ ۸-سورۂ اعراف: ۳۹۹/۳۰۰ روپے۔

مولانا اسلم صدیقی کا نام دینی اور تحریکی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ جامعہ پنجاب کے شعبۂ مساجد کے صدر اور خطیب کی حیثیت سے آپ نے سرگرم زندگی گزاری ہے۔ آپ کے خطبات سننے والوں کے ذہن وقلب' دین اسلام کی تعلیمات کی پیروی کے لیے راغب ہوتے ہیں۔ گذشتہ چند برسوں میں انھوں نے قرآن کا سلسلے وار درس شروع کیا جو کیسٹ پر محفوظ کیا گیا اور اب ان دُروس کو لکھ کر کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ سورۂ اعراف تک کے درس درج بالا آٹھ کتابوں کی شکل میں شائع ہوچکے ہیں (دروس قرآن 'سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ' جلداوّل پر ترجمان القرآن میں تبصرہ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوچکا ہے)۔

مولانا اسلم صدیقی بنیادی طور پر خطیب ہیں اور بہت اچھے خطیب۔ ان کی تقاریر سن کر حاضرین ولولے اور جوش سے بھر جاتے ہیں لیکن وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تصنیف کے مردمیدان نہیں۔ ان کے جو دروس نقل کیے گئے اور ایک نظر ڈال کر شائع کر دیے گئے' اس کام میں انھیں بعض احباب کا تعاون حاصل رہا ہے۔ مرتب کرتے ہوئے اسٹائل تبدیل نہیں کیا گیا۔ اس لیے خطیبانہ رنگ برقرار ہے اور پڑھنے والے پر اثر ڈالتا ہے۔ وہ تفسیری مباحث میں نہیں گئے اور نہ اختلافی مسائل میں الجھے ہیں بلکہ قرآن کے پیغام کو پُرزور استدلال سے پیش کر دیا ہے۔ قرآن کا پیغام'

جو اللہ کی بندگی اور اس کی کامل اطاعت کا پیغام ہے، عصرِ حاضر کے پس منظر میں کھل کر سامنے آتا ہے اور قاری کو عمل پر اُبھارتا ہے۔ یہ سلسلۂ دروس مکمل ہوگا تو تفسیری لٹریچر میں اپنی نوعیت کا ایک اضافہ ہوگا۔ مثبت طرز اختیار کیا گیا ہے۔ قرآن کے لانے والے نے قرآن کو جس طرح پیش کیا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، چنانچہ سیرت کے حوالے جابجا نظر آتے ہیں۔

آج کل دینی کتب بھی بہت اہتمام سے اور خوب صورت شائع کی جارہی ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ یہ کتب بھی اس معیار پر طبع ہوں کہ دیکھ کر دل خریدنے اور پڑھنے کو چاہے۔ اس کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کوئی ماہر مدیر خطیبانہ رنگ برقرار رکھتے ہوئے اس کی تدوین نو کرے تو اس کے فائدے اور تاثیر میں اضافہ ہو۔ (مسلم سجاد)

قرآن کی روشنی میں، ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی۔ ناشر: مرکز فہم قرآن ۱۴-۱۵، فرسٹ فلور، ڈیلا والا سنٹر، شون چورنگی، بلاک ۹، کلفٹن، کراچی۔ صفحات: ۳۶۶۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

مصنف علمی حلقوں میں ایک معروف شخصیت ہیں۔ زیرنظر کتاب کی وجہِ تالیف یہ جذبہ ہے کہ سیرت و کردار کی تعمیر اور عہد حاضر کے مسائل کے لیے حقیقی رہنمائی قرآن ہی سے میسر آسکتی ہے۔ فی الواقع قرآن ہر دور کے لیے رہنما ہے۔ مصنف نے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشرت اور دیگر موضوعات پر قرآن و سنت کی روشنی میں جدید اسلوب میں رہنمائی فراہم کی ہے اور عہدِ جدید پر انطباق کیا گیا ہے۔

عہد حاضر کے حوالے سے جہاد کا تصور، جنگ و امن کے قرآنی اصول، اسلام کا نظریۂ مال و دولت، قرآن اور بین الاقوامی معاملات، نائن الیون کا واقعہ اور یہودیت و عیسائیت اور قرآن اور میڈیا کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ خواتین کے حقوق اور دیگر مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں۔

ہر موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ حسبِ ضرورت احادیث، صحابہ کرامؓ کے واقعات، جدید دور کی امثال اور اشعار بھی پیش کیے گئے ہیں۔ زبان شُستہ رواں اور اسلوب عام فہم ہے۔ مصنف نے فکری و عملی زندگی قرآنی اصولوں پر استوار کرنے کی دعوت دی ہے اور قرآن کو حقیقی معنوں میں رہنما بنانے پر زور دیا ہے۔ بنیادی طور پر کتاب خطبات

(لیکچرز) کا مجموعہ ہے جسے نظرثانی اور اضافوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ (سعید اکرم)

مفاہیم و مضامین قرآن، مؤلف: خواجہ کریم الدین احمد۔ ناشر: دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی۔ صفحات (بڑی تقطیع): ۵۰۰۔ قیمت: ۴۸۰ روپے۔

رجوع الی القرآن کے رجحان میں اضافے کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ قرآنی مضامین پر کتب کا سلسلہ جاری ہے اور لکھنے والے علماے کرام کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی محنت اور مطالعے میں دوسروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ زیرنظر کتاب میں بھی مؤلف نے ہرسورہ کے مختصر تعارف کے بعد، ایک ایک یا زیادہ آیات کا مطلب سلیس اُردو میں سلسلہ وار بیان کردیا ہے۔ انھوں نے تفسیر ابن کثیر کو بنیاد بنایا ہے۔ ساتھ ہی اشاریہ بھی ہے جس میں مختلف موضوعات پر الف بائی ترتیب سے آیات کے حوالے دیے ہیں اور اکثر مختصر تشریح بھی دی گئی ہے۔ عربی سے ناواقف لوگوں کے لیے قرآن سے آگاہی کی اچھی اور مفید کوشش ہے لیکن حقیقی مفہوم سے آگاہی کے لیے متن کو برابر زیرمطالعہ رکھنا اور عربی سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش بھی لازمی سمجھنا چاہیے۔ (م - س)

سیرتِ ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم، گوہر ملسیانی۔ ناشر: علم و عرفان پبلشرز، ۳۴- اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۵۹۲۔ مجلد قیمت: ۳۰۰ روپے۔

معروف ادیب، شاعر اور مصنف جناب گوہر ملسیانی کے پیشِ نظر اس کتاب کا مقصدِ تالیف نوجوان نسل (بالخصوص طلبہ و طالبات اور کم تعلیم یافتہ افراد) کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اطہر سے اس انداز میں روشناس کرانا ہے کہ یہ اُن کی ذہنی اور عملی زندگی کی تہذیب و تشکیل کا وسیلہ بن سکے۔ فاضل مؤلف کا اسلوب نگارش نہ صرف شُستہ و رُفتہ اور عام فہم ہے بلکہ اتنا دل کش اور دل نشیں ہے کہ قاری کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے۔ انھوں نے ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائعِ حیات کو احاطۂ تحریر میں لاتے ہوئے اپنی استطاعت کی حد تک کوشش کی ہے کہ ضعیف اور مشکوک روایتیں کتاب میں نہ آنے پائیں اور صرف مستند مصادر و مآخذ ہی سے استفادہ کیا جائے۔

اس کوشش میں وہ خاصے کامیاب نظر آتے ہیں' تاہم کتاب میں کمپوزنگ اور سہو قلم کے تسامحات بعض مقامات پر کھٹکتے ہیں' مثلاً: 'ابن اُم مکتوم' کی جگہ 'ابن مکتوم' (ص ۱۴۸' ۱۴۹) لکھا گیا۔ کتاب ہمارے دینی ادب میں خوش گوار اضافہ ہے اور اس کا مطالعہ کرنے والے یقیناً روح میں تازگی اور بالیدگی محسوس کریں گے۔ (طالب الہاشمی)

نبی کریمؐ بحیثیت معلم، پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی۔ ناشر: مکتبہ قدوسیہ' رحمٰن مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اُردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۴۵۷۔ قیمت: ۲۲۵ روپے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم ایک ایسا موضوع ہے جس پر مختلف پہلوؤں سے بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ زیرنظر کتاب اس موضوع پر انفرادیت کی حامل ہے۔ مصنف نے تعلیم و تربیت کے حوالے سے ۴۵ عنوانات کے تحت تمام ممکنہ پہلوؤں پر احادیث کو جمع کر دیا ہے اور حسبِ موقع معروف علما کی شرح بھی دی گئی ہے۔ تعلیم کے لیے وقت اور جگہ کا تعین' تعلیم کا دائرہ' تعلیم کے ذرائع' طلبہ کی نفسیات' مخاطب کا رویہ اور مزاج' شاگردوں سے تعلق' اندازِ گفتگو' اشاروں' لکیروں اور شکلوں کا استعمال' طلبہ سے استفسار' سوال کرنے پر رہنمائی' طلبہ کی صلاحیتوں کا ادراک' اپنی موجودگی میں شاگرد کو تعلیم و تدریس کا موقع دینا' نظم و ضبط' سرزنش اور حوصلہ افزائی' اخلاقی تعلیم' طلبہ کی ضروریات کا خیال رکھنا' تعلیم میں سہولت و ترغیب' غرض تعلیم سے متعلق تمام اہم موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ لوازمہ ایک اہم تعلیمی ضرورت پوری کرتا ہے اور جدید تعلیمی نظریات و رجحانات کی روشنی میں ماہرین تعلیم کو دعوتِ تحقیق دیتا ہے۔ (محمد الیاس انصاری)

غلامی، ایک تاریخی جائزہ، میاں محمد اشرف۔ ناشر: فروغ علم اکیڈمی' ادارہ علمی تحقیق' ۹-۱۱۷' ماڈل ٹاؤن' ہمک' اسلام آباد۔ صفحات: ۶۹۵۔ قیمت (مجلد): ۱۰۰۰ روپے۔

کبھی کبھی کوئی ایسی کتاب نظر پڑتی ہے کہ یقین نہیں آتا کہ ہمارے معاشرے میں کسی سرکاری سرپرستی یا مالی اعانت کے بغیر کوئی فرد محض اپنے ذاتی شوق سے اتنا بڑا علمی کام کرسکتا ہے۔ غلامی کے موضوع پر میاں محمد اشرف کی ۷۰۰ صفحات کی ایک بھرپور اور جامع کتاب ایسی ایک کاوش

ہے۔ وہ ایک ریٹائرڈ پروفیسر ہیں، لیکن جب انھیں غلامی کے موضوع پر اُردو میں لوازمہ نہ ملا تو انھوں نے اس خلا کو پُر کرنے کا خود ارادہ کیا اور تین چار سال کی محنت شاقہ سے مسئلۂ غلامی کی پوری تاریخ، مختلف معاشروں اور تہذیبوں میں اس کی صورت حال خصوصاً استعماری طاقتوں نے دنیا کے مختلف ملکوں کی پوری پوری آبادیوں پر جس وحشیانہ انداز میں غلامی مسلط کی، اسے اصل ماخذ سے حاصل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آئینے میں، روشن خیال اور مہذب تہذیبوں کی اتنی بھیانک تصویر سامنے آتی ہے کہ انسان کانپ اُٹھتا ہے اور سوچتا رہ جاتا ہے کہ کیا انسان اتنا زیادہ گر سکتا ہے کہ اپنے ہی بھائیوں کا بدترین استحصال کرے اور انھیں نت نئے طریقوں سے تعذیب دے۔ اس کتاب میں اس کی تمام تفصیلات مطالعے کے لیے موجود ہیں۔

غلامی کے حوالے سے اسلام پر بھی اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ فاضل مصنف نے ایک الگ باب میں اس کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام نے کس تدریج اور حکمت سے اس مسئلے کو حل کیا۔ غلام آزاد کرنے کو بہت بڑی نیکی بتایا۔ انھیں معاشرے میں باعزت مقام دیا۔ ان کے حقوق کا تحفظ کیا، یہاں تک کہ مسلم تاریخ میں ایسے حکمران بھی ملتے ہیں جو غلاموں میں سے تھے۔ مصنف نے غلامی کے مسئلے پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جو کچھ لکھا ہے، اسے کتاب میں ضمیمے کے طور پر شامل کیا ہے تاکہ اسلام کا موقف کھل کر سامنے آجائے۔

فاضل مصنف نے اس کتاب کے ابواب کو چھے الگ الگ کتابوں کی شکل میں بھی پیش کیا ہے: ۱- یورپ اور غلامی، صفحات: ۱۲۷۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔ ۲- امریکا اور غلامی، ۹۲/: ۲۰۰ روپے۔ ۳- اشتراکیت اور غلامی، ۱۲۶/ ۲۷۵روپے۔ ۴- ہندو معاشرہ اور غلامی، ۱۰۵/ ۳۰۰روپے۔ ۵- اسلام اور غلامی، ۱۶۸/ ۳۵۰روپے۔

جیسا کہ عنوانات سے ظاہر ہے، مصنف نے ان سب عنوانات کے تحت تحقیقی کاوش کر کے اُردو زبان میں وہ لوازمہ پیش کیا ہے جو اس سے پہلے دستیاب نہ تھا اور اس موضوع پر معلومات کا ایک خزانہ جمع کر دیا ہے۔ اگر ہمارے معاشرے میں حقیقی قدر افزائی کی روایت ہو، تو مصنف کو اس کام پر ضرور کوئی اعزاز ملنا چاہیے۔ (م - ا - ا)

مضامینِ قاضی حسین احمد، مرتبہ: سمیحہ راحیل قاضی۔ ناشر: مادرا پبلشرز' ۶۰-شاہراہ قائداعظم' لاہور۔ صفحات: ۲۷۲۔ قیمت: ۲۸۰۔

جناب قاضی حسین احمد گذشتہ ۳۵ برس سے وطنِ عزیز میں دینی وسیاسی سطح پر فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ اوائلِ جوانی سے تحریکِ اسلامی سے وابستہ ہیں اور تقریر وخطابت ان کا خاص میدان ہے۔ حال ہی میں مضامین قاضی حسین احمد منظرعام پر آئی ہے۔ ترجمان القرآن اور دیگر اخبارات وجرائد میں شائع شدہ مضامین' نیز جماعتِ اسلامی پاکستان کے اہم اجتماعات میں ان کی تقاریر میں سے چند ایک کو اس مجموعے میں شامل کیا گیا ہے۔ جن موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے ان میں 'سیرت رسولؐ کا پیغام'، 'امریکا'، 'عالمِ اسلام'، 'اسلامی تحریکات'، 'پاکستان کو درپیش حقیقی خطرات'، 'مختلف ممالک کے دوروں کے تاثرات' اور ایک اہم خطاب 'آیئے حالات دُرست کریں' شامل ہے۔ بانیِ تحریک سید ابوالاعلیٰ مودودی اور شاعرِ انقلاب علامہ اقبال کے حوالے بکثرت موجود ہیں۔

ان تحریروں کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ صاحبِ تحریر عزم ویقین سے سرشار ہیں اور پوری قوم کو میدانِ جدوجہد میں اُتار کر وطنِ عزیز کو اسلامی ریاست میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں تجزیہ بھی ہے' مستقبل کی روشنی بھی اور حالات کو سُدھارنے کے لیے اسلامی تحریکات کا دست وبازو بننے کی اپیل بھی۔ استعمار' اسرائیل' امریکی جبروستم اور پاکستان میں انگریزوں کے شاگردوں کا ذکر کرتے ہوئے مجاہد کی سی گھن گرج کے ساتھ جلوہ نما نظر آتے ہیں' جب کہ دنیا بھر کے مظلوم طبقات اور پاکستان کے بے بس عوام کا ذکر کرتے ہوئے ایک خاص گداز کی کیفیت سے گزرتے محسوس ہوتے ہیں۔ اُن کی تحریر بتاتی ہے کہ وہ نظامِ فرسودہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔

مضامین کی عنوان وار درجہ بندی کرلی جاتی تو کتاب مزید مؤثر ہوجاتی۔ یہ ذکر بھی مناسب ہوتا کہ یہ تقریر کس مقام پر کی گئی' انٹرویو کس رسالے کے لیے لیا گیا اور تحریر کس روزنامے/ ماہنامے میں کب شائع ہوئی۔ (محمد ایوب منیر)

خونیں تحریکیں، اطہر امرتسری۔ ناشر: طٰہٰ پبلی کیشنز' اُردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۳۰۴۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

اسلام کی ۱۴۰۰ سالہ تاریخ میں ایسی بے شمار تحریکوں کا ذکر ملتا ہے جو ملوکیت کے خلاف اٹھیں'

اہلِ اقتدار کے خلاف جدوجہد کی اور تاریخ کے صفحات پر اَن مٹ نقوش چھوڑ گئیں۔ زیرنظر کتاب میں ایسی ہی تحریکوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان میں تحریک علویہ، عباسیہ، باطنیہ، قرامطہ، مہدویہ، صلاحیہ اور وہابیہ شامل ہیں۔ یہ جائزہ مؤرخانہ دیانت سے پیش کیا گیا ہے اور حالات و واقعات ایک تلاش وجستجو اور تحقیق کے بعد پیش کیے گئے ہیں۔ ایک قاری کو باطنیہ کے بارے میں مؤلف کی آرا عام مؤرخین کی آرا سے مختلف نظر آتی ہیں لیکن مولانا علم الدین سالک کے بقول مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ''ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے جو ایک مدت سے دانستہ یا نادانستہ اس فرقے کے خلاف پیدا ہو چکی ہیں''۔

ایک باب 'کاذبیہ' میں نبوت کے جھوٹے مدعیوں اسود، مسیلمہ، سجاح اور طلیحہ کی فتنہ انگیزیوں کا جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں اس طبع ثانی میں دو ابواب 'یورشِ تاتار' اور 'محمد علی' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ مؤلف کے ایسے مضامین ہیں جو پہلی اشاعت میں شامل نہ تھے۔

کتاب کے مؤلف خدا بخش اظہر امرتسری اپنے دور کے نام ور شاعر، صحافی اور ادیب تھے جو ۲۰ سال تک روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ۱۹۴۰ء میں پہلی دفعہ یہ کتاب شائع ہوئی اور اب ۶۵ سال بعد اس کی طبعِ جدید منظرعام پر آئی ہے۔ اس کا پیش لفظ مولانا علم الدین سالک اور مصنف کا تعارف شورش کاشمیری نے لکھا، جو اس طباعت میں بھی شامل ہیں۔ طبعِ جدید کا تعارف جناب طالب الہاشمی نے تحریر کیا ہے۔ اسلامی تاریخ اور تحریکوں سے دل چسپی رکھنے والے قارئین کے لیے نہایت معلومات افزا کتاب ہے۔ (عبداللّٰہ شاہ ہاشمی)

جناب غلام احمد پرویز: اپنے الفاظ کے آئینے میں، پروفیسر محمد دین قاسمی۔ ناشر: کتاب سرائے، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۳۹۱۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

اسلام کے علمی ذخیرے پر نیش زنی، کفار اور مشرکین کا وطیرہ تو تھا، لیکن گذشتہ تین صدیوں کے دوران، بالخصوص مغربی علم الکلام سے متاثرہ ایک گروہ نے اپنی علمی کمزوری کے ہاتھوں مجبور ہوکر، خود اسلام ہی کے خلاف وعدہ معاف گواہ بننے کا راستہ منتخب کیا۔ اس گروہ میں ایک نمایاں عنصر منکرین حدیث کا ہے، جو اپنی علمی سطح کو بلند کرنے یا ملاحدۂ مغرب کی فکری یاوہ گوئی کا

شافی جواب دینے کے بجائے' خود دشمن ہی کی بارودی سرنگوں کو اُٹھا اُٹھا کر اسلامیانِ عالم کے سپرد کرنے کو' فکرِ قرآنی' کا مغز پالینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے بعد اسلم جیراج پوری' عنایت اللہ مشرقی' نیاز فتح پوری اور ایک دور میں اس کے کرتا دھرتا' جناب غلام احمد پرویز [م:۱۹۸۵ء] رہے۔ موصوف نے فتنۂ انکارحدیث کو ایک تحریک کی شکل دینے کے لیے خودساختہ 'مرکز ملت' ملک غلام محمد اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ایوب خان کی مدد حاصل کی (اکبر بادشاہ سے لے کر جنرل پرویز مشرف تک کو ایسے ابوالفضل' فیضی اور شیخ مبارک بہ سہولت ملتے رہے ہیں۔ جنرل مشرف کو آج کل ایسے ہی اساتذہ روشن خیالی اور مداہنت پسندی کا درس دے رہے ہیں)۔

زیرنظر کتاب 'قرآنی لغت کے خودساختہ ماہر' پرویز صاحب کی ان فکری قلابازیوں' کلامی یاوہ گویوں' اتہام بازیوں اور تضاد بیانیوں کا دفتر ہے۔ پرویز ایک جانب فکر اسلامی پر تیشہ زنی کرتے رہے تو دوسری جانب اسلام پر براہ راست حملہ کرنے کی ہمت نہ پاتے ہوئے' مولانا مودودی مرحوم کے منہ کو آتے رہے اور علامہ اقبال کے نام کا سہارا لے کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے' جس کا پورا ریکارڈ' طلوعِ اسلام میں موجود ہے۔

ماہ نامہ طلوعِ اسلام کے تمام فائلوں سے فکرِ پرویز کا بڑی باریک بینی بلکہ بڑے حوصلے سے مطالعہ کرنے کے بعد' جناب پروفیسر محمد دین قاسمی نے تحقیق و تدوین کا یہ مرقع مرتب کیا ہے۔ جس کا ہر صفحہ پرویز صاحب کی قلمی رکاکت و فکری کثافت' مولانا مودودی کی بیانیہ شایستگی اور مولف کی تجزیاتی سنجیدگی کا نمونہ ہے۔

جو لوگ فتنۂ انکارحدیث کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں' یا جو لوگ اس فتنے کے تار و پود کی کمزوری اور حکمت عملی کے دجل و فریب کو جاننا چاہتے ہیں' ان کے لیے یہ کتاب ایک قیمتی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسی سنجیدہ تحقیق کاری اور تقابلی تجزیہ کاری کی روایت ہمارے ہاں ناپید ہوتی جارہی ہے' لیکن پروفیسر محمد دین قاسمی کی اس پیش کش نے نوجوان محققین کو کارِ تحقیق کا درس بھی دیا ہے اور حوصلہ بھی۔ (سلیم منصور خالد)

مدیر کے نام

حافظ محمد لقمان ' راجن پور

'پاکستان کی معاشی ترقی اور خوش حالی' (جون ۲۰۰۶ء) پاکستان کی معاشی بدحالی پر بے لاگ تبصرہ ہے۔ 'تحریک اور رکنیت' سے تحریک اسلامی کی فکر' اس کے تصورات' اہداف اور رکنیت کے اہم تقاضوں کی اچھی تذکیر ہوئی اور بجا توجہ دلائی گئی کہ اس راہ میں اصل قوت داعیانہ اضطراب اور بے چینی ہے۔ 'مجلس عمل کی پارلیمانی جدوجہد کے چار سال' میں پارلیمانی جدوجہد کا اچھے انداز سے احاطہ کیا گیا ہے۔

شفیق الرحمٰن انجم ' قصور

'امریکا: اسرائیل نواز لابی کی گرفت میں' (جون ۲۰۰۶ء) اپنی نوعیت کی منفرد رپورٹ اور اہم ترین موضوع ہے جس پر اطہر وقار عظیم نے قلم اٹھایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب امریکا میں بھی یہ تشویش بڑھتی جارہی ہے کہ اسرائیل نے امریکا کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ صہیونیت کے مذموم عزائم اب ڈھکے چھپے نہیں رہے اور ان کے خلاف آواز توانا ہو رہی ہے۔

اظہر کمال بلوچ ' اسلام آباد

'تہذیبوں کا تصادم، حقیقت یا واہمہ؟' (مئی ۲۰۰۶ء) میں آپ نے جو منظرنامہ پیش فرمایا' واقعتاً وہ ہمارا آنے والا کل ہے۔ اس کے لیے بھرپور تیاری کی ضرورت ہے۔ سیاسی میدان کی جزوی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اجتماعی و انفرادی سطح پر زندگیوں میں 'اللہ کا رنگ' بھرنے کی ازحد ضرورت ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا' انفارمیشن ٹکنالوجی اور علم کا ہر جدید میدان خصوصی توجہ کا متقاضی ہے۔

شمس العارفین ' سیالکوٹ

'تہذیبوں کا تصادم، حقیقت یا واہمہ؟' پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مارچ کے اشارات 'شیطانی کارٹون: تہذیبی کروسیڈ کا زہریلا ہتھیار' کو سامنے رکھیں تو اس مضمون کی افادیت دوچند ہو جاتی ہے۔ بحیثیت مجموعی تجزیے سے اختلاف مشکل ہے' تاہم اتنا عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ یہ بعد از وقت مشورہ ہے۔ اس لیے کہ یہ جنگ مغربی و امریکی ساہوکاروں نے تہذیبوں کی جنگ بنا دی ہے اور اُمت اب اس جنگ میں ایک فریق کی حیثیت رکھتی ہے۔ جنگ کا آخری معرکہ 'مغرب اور اسلام' کے درمیان ناگزیر ہے۔ ہمیں اس وقت کے لیے اپنی قوتوں کو مجتمع کرنا ہے۔

عبدالواحد 'قصور

ترجمان القرآن کے قارئین کے لیے یہ تجویز بھی مفید رہے گی کہ وہ ایک دعوتی حلقہ بنالیں جو ۱۰'۱۵ افراد پر مشتمل ہو۔ یہ دعوتی حلقہ گھر' مسجد' ادارہ یا محلے کی سطح کا ہوسکتا ہے۔ ہفتے میں ایک دو مرتبہ باقاعدگی سے ترجمان القرآن کے مضامین کا اجتماعی مطالعہ کیا جائے۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپ دیکھیں گے کہ شرکا کی علمی سطح بلند ہورہی ہے' دین کے فہم میں اضافہ' اُمت کے لیے تڑپ اور احیاے دین کی جدوجہد کے لیے جذبہ بیدار ہورہا ہے۔ اس دعوتی حلقے کی بنیاد پر قرآن کلاسز جیسے ہمہ پہلو نوعیت کے پروگرام کا آغاز نسبتاً زیادہ مؤثر ثابت ہوگا۔

محمد ریاض 'جرمنی

مسلم دنیا میں عیسائی ایک معمولی سی اقلیت ہیں لیکن انھیں ہر جگہ بے پناہ سہولتیں میسر ہیں' اور ہمارے حکمران انھیں مزید بہت کچھ عطا کیے جارہے ہیں۔ دوسری طرف ان لوگوں کی جمہوریت اور اسلام دشمنی کی کیا کیفیت ہے' اس کی عکاسی ذیل کے واقعے سے بخوبی ہوتی ہے۔

برلن کے علاقے Panko Heinerspor (سابقہ ایسٹ برلن) میں کچھ لوگوں نے ایک پرانی فیکٹری جو اَب بالکل کھنڈر ہوچکی ہے خریدی تاکہ وہاں مسجد کی تعمیر کی جاسکے۔ اس سے پہلے کہ تعمیر شروع ہو' مسجد کمیٹی نے وہاں کے قرب وجوار کے رہنے والوں کے ساتھ تبادلۂ خیال کا اہتمام کیا۔ مقامی پولیس کا ایک بڑا افسر بھی وہاں موجود تھا۔ کم و بیش ۸۰۰ لوگ جمع تھے جو وہاں مسجد بننے کے خلاف زبردست احتجاج کر رہے تھے۔ مظاہرین میں ہر عمر کے لوگ شامل تھے۔ جرمن ٹیلی ویژن کی ٹیم وہاں موجود تھی۔ یہ ۱۹ اپریل ۲۰۰۶ء کا واقعہ ہے۔ اس نے مظاہرین سے مختلف سوال جواب کیے۔ ایک ۵۰ سالہ شخص کہنے لگا: یہ لوگ دہشت گرد ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ہمارے علاقے میں مسجد بن سکے۔ مسجد کی آڑ میں یہ القاعدہ کے تربیتی کیمپ کھولیں گے۔ ایک نوجوان لڑکی کہنے لگی کہ ہماری کوشش ہے کہ جرمنی میں جو خواتین اسکارف لیتی ہیں ان کے سروں سے بھی اسکارف اتارا جائے' اور یہ لوگ ہمارے علاقے میں مسجد بنانا چاہتے ہیں۔ اب تو ہم انھیں جرمنی میں رہنے بھی نہ دیں گے۔ ایک نے کہا: میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ میں ہائی وے Auto Bahn سے اپنے گھر آنے کے لیے نیچے اُتروں اور سب سے پہلے میری نظر اس مسجد کے میناروں پر پڑے' ایسا کبھی نہ ہوگا۔ دوسرے نے کہا: اگر مسجد بن گئی تو ہم اس کو جلادیں گے۔

ٹیلی ویژن کی ٹیم نے مسجد کمیٹی کا موقف جاننے کے لیے رابطہ کیا تو ان کے نمایندے نے جواب دیا کہ ہم جرمنی کے رہایشی اور شہری ہونے کے ناطے اپنی عبادت گاہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کی ہمیں جرمن آئین اجازت دیتا ہے' اور اس کے مطابق جرمنی کے ہر باشندے کو اپنے مذہب پر چلنے کا پورا حق حاصل ہے۔ آخر ہمیں یہ حق کیوں نہیں؟ آپ خود فیصلہ کریں کہ کون 'بنیاد پرست' ہے؟ البتہ پولیس کے ذمہ دار افسر کا کہنا تھا کہ مسجد کو پولیس کی حفاظت میں بنایا جاسکتا ہے۔

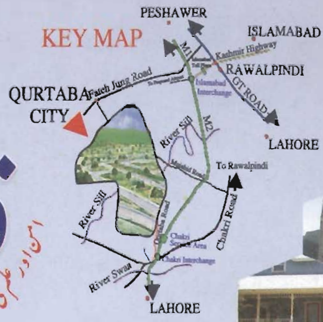

قرطبہ کریک ویلی گوادر کی شاندار کامیابی کے بعد احباب ڈویلپرز اب پیش کرتے ہیں
گوادر میں دوسرا منصوبہ قرطبہ کریک ایگرو فارمز گوادر (ایکڑ سکیم)
اک خواب جس کو تعبیر ملی
قرطبہ کریک
ایکڑ سکیم گوادر
تحصیل گوادر مین کوسٹل ہائی وے اور جیوانی روڈ سے متصل موضع (ذبارڈن)
Gwadar
FARM HOUSES
OF 1&2 ACRES
200 SQ YDS
ہم فائلوں کا کاروبار نہیں کرتے
پہلے آیئے پہلے پایئے!
(4000 Sq yd)
قیمت -/950,000 فی ایکڑ
بکنگ -/150,000 روپے فی ایکڑ
بقایا رقم 4 سال کی 16 آسان سہ ماہی اقساط میں
چیک/ڈرافٹ بنام
قرطبہ کریک ویلی
فیصل بنک اقبال ٹاؤن برانچ،
اکاؤنٹ نمبر 142-2011115-001
کو ارسال کیجئے۔
احباب ڈویلپرز
Marketing Office: Weal House, Faiz Road, Muslim Town Lahore.
Ph: +92-42-5846830,5846831 Fax: +92-42-5847708
Saudia Office: +966-504398159
Raheel Ahmed: 00966-562059096
Website: qurtabacreekvalley.com Email: info@qurtabacreekvalley.com

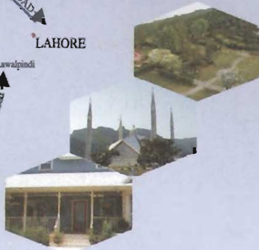
حسین فاروق مودودی نے ملک عبد محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور سے شائع کیا

Madina Tul Ilm

قرطبہ سٹی

امن اور علم کی بستی اکیسویں صدی کا محور، تعلیم و تحقیق





مدینۃ العلم نے ملکی اور بین الاقوامی، مذہبی اور تہذیبی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے ایک مثالی اسلامی شہر، جو کہ اکیسویں صدی کے لیے تعلیم و تحقیق کا محور ہوگا، بنانے اور آباد کرنے کا عظیم منصوبہ قرطبہ ترتیب دیا ہے۔

مدینۃ العلم کا مقصد اور تعارف

مدینۃ العلم نے محسوس کیا کہ تیز رفتار ترقی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی انسانی معاشروں اور مذاہب کے درمیان جو وسیع خلاء پیدا کر رہی ہے اسلام کا فراہم کردہ معاشرتی ماڈل اس کو پُر کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ چنانچہ مدینۃ العلم نے یہ بیڑا اُٹھانے کا فیصلہ کیا کہ ایک ایسا رہائشی منصوبہ تعمیر کیا جائے جو اعلیٰ تعلیم و تحقیق کا محور ہو اور اسلامی معاشرے کا اعلیٰ نمونہ ہو۔ اس منصوبے کا نام "قرطبہ سٹی" تجویز کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے تشکیل دیا گیا بورڈ آف ڈائریکٹرز ملک کے معروف کاروباری افراد جو کہ بین الاقوامی سطح پر معاشرے میں اہم مقام رکھتے ہیں اور مدینۃ العلم کے مقاصد کے حصول کیلئے سرگرم عمل ہیں، پر مشتمل ہے۔ اس منصوبے کی کامیابی کا راز اس کا ہر لحاظ سے خود مختار ہونے میں ہے تاکہ معاشرے کے تمام پہلو مدینۃ العلم کے ماڈل کے مطابق پروان چڑھیں اور اس کی خود مختاری کی کنجی اس منصوبے کا حجم ہے۔ منصوبے کی وسعت اس کے معاشی اور معاشرتی پہلوؤں میں اس کی خود مختاری کی ضمانت ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے وسیع اراضی کی خرید جاری ہے۔ اسلام کے معاشرتی نظام کی عملی تصویر فراہم کرنے کے لیے ایک رہائشی منصوبے کا قیام دُنیائے اسلام اور ملک کا منفرد منصوبہ ہونے کے ساتھ ایک بڑا چیلنج بھی ہے۔

محلِ وقوع:

اسلام آباد جس کا شمار دنیا کے چند خوبصورت اور صاف ستھرے شہروں میں ہوتا ہے کی فضاؤں کو مجوزہ شہر قرطبہ کے لیے منتخب کرتے ہوئے اسلام آباد سے تقریباً 50 کلو میٹر کے فاصلہ پر پاکستان موٹروے، چکری انٹرچینج سے ملحقہ خوبصورت پہاڑوں کے دامن میں، کھلے اور پُر فضا ماحول میں وسیع و عریض اراضی خریدتے ہوئے عظیم منصوبے قرطبہ کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے۔

مجوزہ سہولیات:

انشاء اللہ قرطبہ اُن تمام جدید رہائشی سہولیات سے مزین ہوگا جو تکنیکی ماہرین اب تک مہیا کر سکے ہیں۔ مثلاً

- آباد کاری کی صد سالہ منصوبہ بندی
- مین السیکٹر شاہراہ، کشادہ سڑکیں، فٹ پاتھ
- بارشی پانی کے نکاس کا نظام
- پینے کے میٹھے پانی کی فراہمی کا نظام
- گندے پانی کو ٹھکانے لگانے کا انتظام
- بجلی کی فراہمی کا زمین دوز نظام
- ٹیلی فون کا نظام
- قدرتی گیس کی فراہمی کا نظام
- خریداری مراکز کی عمارات
- معاشرتی مقاصد کے لیے سوک سنٹر، خواتین و حضرات کے لیے سکول کالجز اور پرائمری سکول، ہسپتال، سیکٹر مساجد کی عمارات
- پولیس اسٹیشن، پوسٹ آفس، فائر بریگیڈ کی عمارات
- قرطبہ کے اندر بس سٹاپ اور دوسرے شہروں کو آنے جانے والے راستوں پر بس اسٹاپ
- پیٹرول پمپ
- شجرکاری اور پارک بنانے اور دیکھ بھال کا نظام
- حفاظتی دیوار اور سکیورٹی کا نظام
- کوڑا کرکٹ ٹھکانے لگانے کا نظام
- سٹریٹ لائیٹ کا نظام
- مدینۃ العلم کے دفتر اور سہولیات کو چلانے اور دیکھ بھال کا دفتر اور ورکشاپ کی عمارات

رہائشی سہولیات کی دیکھ بھال کا نظام:

قرطبہ میں فراہم کردہ تمام سہولیات کا انتظام و انصرام مدینۃ العلم کرے گی۔ جس کے لیے خصوصی ضابطہ تشکیل دیا جائے گا اور تمام رہائشی اُس کے پابند ہوں گے۔

خصوصی سہولیات:

- قرطبہ کے لیے اندرونی ٹرانسپورٹ کا نظام
- قرطبہ سے راولپنڈی چکری انٹرچینج اسلام آباد تک ٹرانسپورٹ کا نظام
- گھروں کی تعمیر کے لیے آرکیٹیکٹ کی خدمات اور ہر پلاٹ سائز کے لیے 50 نمونہ کے ڈیزائن کی فراہمی
- بلوں کی ادائیگی اور شکایات کے ازالے کے لیے ون ونڈو آپریشن
- قرطبہ کو تعمیر اور آبادی کے مرحلہ کے بعد بھی خوبصورت رکھنے کے لیے خصوصی تعمیراتی قوانین

امتیازی خصوصیات:

- بین الاقوامی یونیورسٹی: بین الاقوامی یونیورسٹی اور تعلیمی مرکز کا قیام و انصرام
- جامع مسجد قرطبہ: وسیع و عریض میدان سے ملحقہ جامع مسجد اور دینی و تہذیبی تحقیقی مرکز کا قیام و انصرام
- تمام یونیورسٹی اور دینی مرکز سے کیبل کے ذریعہ منسلک
- خواتین کے لیے خصوصی تجارتی مراکز کا قیام

زوننگ پلان و ٹاؤن پلاننگ اور میونسپل انتظامیہ سے منظوری:

منصوبے کے بنیادی خاکے کے مطابق ملک کے مشہور اور مایہ ناز انجینئرنگ کنسلٹنٹس نیسپاک (M/s NESPAK) نے ایک جامع زوننگ پلان تیار کر لیا ہے۔ فیز 1 کی زمین کی خریداری مکمل ہوتے ہی اس فیز کی ٹاؤن پلاننگ کر دی گئی ہے۔ اور یہ ٹاؤن پلاننگ متعلقہ ایجنسی کے پاس منظوری کے لئے جمع کروا دی گئی ہے۔

پلاٹ بکنگ:

ٹاؤن پلاننگ کی منظوری کے ساتھ ہی مزید پلاٹ بکنگ کے لئے پیش کر دیئے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی الاٹمنٹ کا طریقہ کار اور نئی قیمتوں کا تعین بھی کر دیا جائے گا۔

موجودہ پلاٹ ہولڈرز متوجہ ہوں:

- قرطبہ سٹی کے دفتر سے رابطہ کر کے اپنا ڈاک کا پتہ درست کروائیں تا کہ ڈاک کی ترسیل یقینی بنائی جا سکے۔ ایڈریس تبدیل کرنے کے لئے فارم دفتر سے حاصل کریں۔
- اقساط پر بکنگ کروانے والے حضرات فوری طور پر اپنے بقیہ جات اقساط کے جدول کے مطابق ادا کر دیں۔
- بقیہ جات جاننے کے لئے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔

خواتین و حضرات اپنی رائے اور تجاویز سے مدینۃ العلم کے پتہ پر یا email کے ذریعہ آگاہ کریں۔

مدینۃ العلم

فلیٹ نمبر 4، فسٹ فلور، خیبر پلازہ فضل حق روڈ بلیو ایریا اسلام آباد فون: 92-51-2206380 فیکس: 92-51-2270411
Email: Info@qurtabacity.com

Rev. 3.0

L.R.L 99 Monthly TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE. Ph: 7587916 Fax: 7585590

